لاہور
المنبر

ہماری مطبوعات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

○ تصوف

- تعارف ______ ۵/- روپے
- دلائل السلوک (اردو) ______ ۶۰/- روپے
- دلائل السلوک (انگریزی) ______ ۱۰۰/- روپے
- اسرار الحرمین ______ ۱۵/- روپے
- عقائد و کمالات علماء دیوبند ______ ۱۰/- روپے
- علم و عرفان ______ ۵/- روپے

○ حیات بعد الموت :

- سیف اویسیہ ______ ۱۰/- روپے
- حیات برزخیہ ______ ۳۰/- روپے
- حیات انبیاء ______ ۱۵/- روپے
- حیاتُ النبیؐ ______ ۱۵/- روپے

○ شیعیت ۔ تحقیقی مطالعہ :

- الدین الخالص ______ ۳۰/- روپے
- ایمان بالقرآن ______ ۲۵/- روپے
- تحذیر المسلمین ______ ۴۰/- روپے
- تفسیر آیاتِ اربعہ ______ ۱۰/- روپے
- تحقیق حلال و حرام ______ ۲۰/- روپے
- حرمتِ ماتم ______ ۱۰/- روپے
- ایجادِ مذہب شیعہ ______ ۱۸/- روپے
- شکست اعدائے حسینؓ ______ ۴/- روپے
- دامادِ علیؓ ______ ۶/- روپے
- بناتِ رسولؐ ______ ۹/- روپے
- الجمال والکمال ______ ۱۰/- روپے
- عقیدۂ امامت اور اس کی حقیقت ______ ۵/- روپے

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

- اسرار التنزیل حصہ اول غیر مجلد ______ ۱۰۰/- روپے
- مجلد ______ ۱۰۰/- روپے
- حصہ دوم ______ روپے
- دیارِ حبیب میں چند روز ______ ۱۵/- روپے
- ارشاد السالکین (اول) ______ ۵/- روپے
- ارشاد السالکین (دوم) ______ ۱۵/- روپے
- ارشاد السالکین (انگریزی) ______ ۱۰/- روپے
- امیر معاویہؓ ______ ۵/- روپے
- راہی کرب و بلا ______ ۵/- روپے
- عصر حاضر کا امام ______ روپے
- شیعہ مذہب کے بنیادی عقائد ______ ۱۰/- روپے
- حیاتِ طیبہ (انگریزی) ______ ۵/- روپے
- نور و بشر کی حقیقت

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے اسلامیات، عربی

- ذکر اللہ (عربی) ______ ۵/- روپے
- لغزشیں ______ ۱۰/- روپے
- اطمینانِ قلب ______ ۲۰/- روپے
- تصوف اور تعمیر سیرت ______ ۱۰/- روپے
- کس لیے آئے تھے؟ ______ روپے
- خدایا ایں کرم بار دگر کن ______ روپے
- بزم انجم ______ ۲۰/- روپے
- دین و دانش ______ ۱۰/- روپے
- کونوا عباد اللہ ______ ۵/- روپے
- انوار التنزیل ______ ۱۵/- روپے
- مغالطے ______ ۱۵/- روپے

سول ایجنٹ ○ اویسیہ کتب خانہ ○ غزنی سٹریٹ اردو بازار، الوہاب مارکیٹ

ماہنامہ المرشد لاہور

یکے از مطبوعات: ادارہ نقشبندیہ اویسیہ۔ دار العرفان۔ منارہ۔ ضلع چکوال

اپریل ۱۹۹۰ء
رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

شمارہ : ۹
جلد : ۱۱

بدلِ اشتراک

فی پرچہ	۱۰ روپے
ششماہی	۵۵ روپے
چندہ سالانہ	۱۰۰ روپے
تاحیات	۱۰۰۰ روپے

غیر ملکی

سری لنکا۔ بھارت، بنگلہ دیش	۲۰۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور مشرقِ وسطیٰ کے ممالک	۵۰ سعودی ریال
تاحیات	۳۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپی ممالک	۱۰ سٹرلنگ پونڈ
تاحیات	۵۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ اور کینیڈا	۲۰ امریکن ڈالر
تاحیات	۱۰۰۔ امریکن ڈالر

رقم / چندہ مضامین برائے اشاعت، تبصرے، شکایات اشتہارات وغیرہ

بھیجنے کے لیے

المرشد، دیگر مطبوعات اور کیسٹ وغیرہ

منگوانے کے لیے

دفتر ماہنامہ "المرشد"

الوہاب مارکیٹ، غزنی سٹریٹ

اردو بازار، لاہور۔ فون ۲۲۰۳۵۷

ماہنامہ **المُرشد** کے :

بانی : حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مجدّد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست : حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
شیخِ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیر اعلیٰ نشر و اشاعت : پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم۔اے (عربی) ایم۔اے (اسلامیات)

ناظم اعلیٰ کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر : تاج رحیم

طباعت : سیّد اکرام الحق

سرکولیشن : مرزا اسد علی بیگ

اس شمارے میں

اِداریہ ____ ۴

رمضان المبارک ____ ۶

اِسلام اور جمہوریّت ____ ۱۵

اِسلام میں جمہوریّت کا مسئلہ ____ ۲۴

اِسلامی تصوّف ____ ۲۹

شعبۂ اشتہارات

ناظم اشتہارات : سیّد اکرام الحق لاہور ٹیلیفون ۲۲۳۵۷

تاج رحیم	لاہور	"	۸۷۷۲۴۹
نصراللہ بٹر	گوجرانوالہ	"	۸۸۴۴۴
امان اللہ ملک	گجرات	"	۳۴۶۶
عبدالجبار ایڈووکیٹ	فیصل آباد	"	۲۴۱۵۵ ۴۱۱۵۶
زاہد محمود	راولپنڈی	"	۸۴۵۴۷۵
لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) محبوب خان	کراچی	"	۵۴۴۹۹۰

کمپوزنگ : ایلیگینس کمپوزرز ۔ اُردو بازار لاہور

آرٹ : محمد علی شاد مناور می

خطاطی : ظفر اقبال، اشرف جاوید، نذیر حسین باجوہ

سرورق : صلاح الدین ایوبی

پبلشر : حافظ عبدالرزاق

پرنٹر : طیّب جمال پرنٹرز

[illegible]

اداریہ

دلوں تک قوت کی برقی رَو پہنچنے کا جو سلسلہ جاری ہو چکا ہے جس کا اصل منبع تو خود رَبِ کریم کی ذات ہے البتہ اس قوت کو آگے تقسیم کیلئے کہیں کوئی گرڈ اسٹیشن ضرور ہے جو صاحب بصیرت افراد کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں اور دل کے اندھے اُسے دیکھ نہ پائیں گے۔ اسی لئے دنیا بھی ایک عجیب تبدیلی کے عمل سے گزر رہی ہے۔ وہ طاقتیں، حکومتیں اور حکمران جو کل تک پوجے جا رہے تھے آنِ واحد میں وہ بُت ٹوٹ پھوٹ گئے۔ وہ عوام جو مدت سے سہمے بیٹھے تھے راتوں رات اُن کو وہ قوت نصیب ہو گئی کہ دنیا کے ایک بڑے سپر پاور نے ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ فیشن کے طور پر اسے جمہوریت کی جیت کہا جا رہا ہے لیکن یہ طرزِ نظام تو خود زوال کے بھنور میں ہے ——

کشمیر کے مسلمان جو گزشتہ نصف صدی سے بے حسّی کا شکار تھے۔ اب اُس مردہ جان میں اگر زندگی کے آثار نمودار ہونے لگے ہیں تو اس میں پاکستان کی کسی بھی حکومت، سیاسی پارٹی یا مذہبی لیڈر کو کوئی کریڈٹ حاصل نہیں۔ بھارت تو خواہ مخواہ یہ سہرا موجودہ منتخب ٹولے کے سَر پر سجا رہا ہے۔ ورنہ یہ ٹولہ تو اپنے غلیظ پونڑے صاف کرنے کا اہل بھی نہیں۔ البتہ یہ ٹولہ، سمیت اپنے حامی اور مخالف کوڑ کباڑ کے، کشمیریوں کے جدوجہد کو ناکام بنانے کا باعث ضرور بن رہا ہے۔ اپنی ہی پھیلائی ہوئی غلاظت پر، کشمیر کو پردہ بنا کر ڈالنے کی بجائے، بہتر ہو گا اس بڑھتے ہوئے تعفن کو سمیٹنے کی کریں۔

تاج رحیم

فقیر محمد اکرم

احوالِ دل

کہتا ضرور کچھ مگر طاقت نہیں رہی
دیکھا اُنہیں تو قوتِ گفتار کھو گئی

آنکھوں میں یوں بسے ہیں کہ دن رات ہر گھڑی
دیکھا جدھر بھی اُن سے مُلاقات ہو گئی

میں اور اُن کے حُسن کے اتنا قریب تر
بس شیخ کی مے کے یہ کرامات ہو گئی

دیکھی جو کائنات تو آیا نہ کچھ نظر
اس حُسنِ بے مثال کی وسعت میں کھو گئی

آقا تیرے حضور کی لذت عجیب تر
اب ماسویٰ کی طلب ہی معدوم ہو گئی

موت و حیات کی جو تھی تفریق مٹ گئی
رُوح تیری بارگاہ میں پہنچی تو کھو گئی

دھڑکن تھی کائنات کے دِل میں حضور سے
معراج پر گئے تو وہ خاموش ہو گئی

پلٹے تو اپنے ساتھ لائے گرمیٔ حیات
زندہ یُوں کائنات کی آغوش ہو گئی

دُنیا سے پردہ حصّہ ہے ازلی نظام کا
جب ہی حیات اُن کی بھی روپوش ہو گئی

دیکھیں جو زندگی کو تو رقصاں ہے چار سُو
اُنہی کے دَم قدم سے یہ مدہوش ہو گئی

دیکھو فقیر عشق کی مستی بجا مگر
پہنچی تیرے حضور تو خاموش ہو گئی

رَمَضَانُ المُبارک

حضرت مولانا محمّد اکرم

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔
جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے
گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو ﴿۱۸۳﴾

183. O ye who believe! Fasting is prescribed for you, even as it was prescribed for those before you, that ye may ward off (evil);

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ
اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ
فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ
تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ
تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

(روزوں کے دن) گنتی کے چند روز ہیں تو جو
شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے
دنوں میں روزوں کا شمار پورا کرلے اور جو لوگ روزہ
رکھنے کی طاقت رکھیں (لیکن رکھیں نہیں) وہ روزے کے
بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں۔ اور جو کوئی شوق سے
نیکی کرے تو اس کے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اگر سمجھو تو
روزہ رکھنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے ﴿۱۸۴﴾

184. (Fast) a certain number of days; and (for) him who is sick among you, or on a journey, (the same) number of other days; and for those who can afford it there is a ransom; the feeding of a man in need— But whoso doth good of his own accord, it is better for him : and that ye fast is better for you if ye did but know—

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ
الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ
مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ

(روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ (ہے) جس میں قرآن (اول
اول) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت
کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے

185. The month of Ramadân in which was revealed the Qur'ân, a guidance for mankind, and clear proofs of

شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝۱۸۵

تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو چاہیئے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں رکھ کر ان کا شمار پورا کرلے خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔ اور (یہ آسانی کا حکم) اسلئے (دیا گیا ہے) کہ تم روزوں کا شمار پورا کرلو اور اس احسان کے بدلے کہ خدا نے تم کو ہدایت بخشی ہے تم اس کو بزرگی سے یاد کرو اور اس کا شکر کرو ۝۱۸۵

the guidance, and the Criterion (of right and wrong). And whosoever of you is present, let him fast the month, and whosoever of you is sick or on a journey, (let him fast the same) number of other days. Allah desireth for you ease; He desireth not hardship for you; and (He desireth) that ye should complete the period, and that ye should magnify Allah for having guided you, and that peradventure ye may be thankful.

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝۱۸۶

اور (اے پیغمبر) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیئے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک رستہ پائیں ۝۱۸۶

186. And when My servants question thee concerning Me, then surely I am nigh. I answer the prayer of the suppliant when he crieth unto Me. So let them hear My call and let them trust in Me, in order that they may be led aright.

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝۱۸۷

روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔ خدا کو معلوم ہے کہ تم (ان کے پاس جانے سے) اپنے حق میں خیانت کرتے تھے سو اس نے تم پر مہربانی کی اور تمہاری حرکات سے درگزر فرمائی۔ اب (تم کو اختیار ہے کہ) ان سے مباشرت کرو۔ اور خدا نے جو چیز تمہارے لئے لکھ رکھی ہے (یعنی اولاد) اس کو (خدا سے) طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو۔ یہ خدا کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جانا۔ اسی طرح خدا اپنی آیتیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار بنیں ۝۱۸۷

187. It is made lawful for you to go unto your wives on the night of the fast. They are raiment for you and ye are raiment for them. Allah is aware that ye were deceiving yourselves[23] in this respect and He hath turned in mercy toward you and relieved you. So hold intercourse with them and seek that which Allah hath ordained for you, and eat and drink until the white thread becometh distinct to you from the black thread of the dawn. Then strictly observe the fast till nightfall and touch them not, but be at your devotions in the mosques. These are the limits imposed by Allah, so approach them not. Thus Allah expoundeth His revelations to mankind that they may ward off (evil).

اسرار و معارف

رمضان اور احکامِ رمضان

تیسرا حکم نیکی اور بِر کے باب میں "صوم" کا ہے، اسے ارشاد فرمانے کا ایک خاص انداز ہے کہ قبل ازیں نوعِ انسانی کو دعوتِ عبادت دی. مگر اس میں یہ انداز نہیں بلکہ ایک عمومی رنگ ہے کہ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو. مگر یہاں ارشاد ہے،

"تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے تم سے پہلے گزرنے والوں پر فرض کیا گیا تھا"۔
اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پہلے مخاطب نوعِ انسانی ہے اور دوسرا خطاب خاص مومنین کو ہے اور اُن کی رُوحانی تربیت اور حصولِ رحمت کے لیئے ایک خاص اہتمام ہے۔

دراصل انسان رُوح اور جسم سے مرکب ہے جس طرح جسم مادہ کی ایک ٹھوس اور کثیف شکل ہے اسی طرح رُوح انتہائی لطیف شے ہے اور یہ قدرتِ باری ہے کہ فرشتے اور حاملینِ عرش سے بھی لطیف تر۔ روح کو ایک کثیف جسم سے پیوست کر دیا گیا ہے اور یہ جسم رُوح کو بخشا ہی اسی لیئے گیا ہے کہ عبادتِ الٰہی کر سکے۔ جسم ہو۔ اس کی ضروریات ہوں اور پھر ان کی تکمیل کے سامان موجود ہوں لیکن یہ اس میں اپنی پسند پہ احکامِ الٰہی کو ترجیح دے اور احکامِ باری کو اختیار کرے۔ اس کی یہ ادنیٰ قربانی اس کے لیئے حصولِ قرب کا سبب بنے۔ ویسے تو مجرد رُوح اللہ کی عبادت میں مصروف رہ سکتی تھی مگر اس کی عبادت فرشتے کی عبادت کی مثل ہوتی جو ہمیشہ اطاعت تو کرتا ہے مگر چونکہ کوئی عارضہ اپنے ساتھ ایسا نہیں رکھتا جو اسے اطاعت سے روک سکے اس لیئے وہ اپنے مقام سے آگے نہیں بڑھتا بلکہ جس مقام پر رکھا گیا ہے ہمیشہ اسی پہ رہتا ہے مگر انسان جب عملی دُنیا میں داخل ہوتا ہے تو ایک خاص حیثیت عملی اور علمی رکھتا ہے۔ اشیائے عالم اور ان کے اوصاف سے واقف ہوتا ہے پھر اس کے وجود کو ان کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان سے آرام اور لذت حاصل کرتا ہے۔

اب اگر وہ ان سے استفادہ کرنے کا وہ طریقہ اپنانا جو اللہ نے مقرر فرمایا ہے تو اسے حقیقی انسانیت اور اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے لیکن اگر صرف لذت طلبی اور تکمیلِ خواہشات میں کھو جاتا ہے تو پھر انسانیت کے مقامِ رفیع سے گر جاتا ہے۔ اور جانوروں سے بدتر شمار ہوتا ہے اور یہ بات کہ انسان محض خواہشات کی تکمیل ہی نہ کرے بلکہ اپنے ہر کام میں اللہ کی اطاعت کو مقدم رکھے تب نصیب ہوتی ہے جب رُوح قوی ہو اور بدن کے قویٰ پہ رُوحانیت غالب ہو۔ یہ تب ہو سکتا ہے کہ رُوح کا تعلق اللہ سے قائم ہو جو سب سے مضبوط ہوتا ہے اتنا مضبوط کہ وہ کبھی اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کر پاتے اور معصوم ہوتے ہیں باقی مخلوق ان کی وساطت سے اللہ سے رابطہ قائم کرتی ہے جس نے کلمہ پڑھ لیا گویا اس کا تعلق اللہ سے قائم ہوا اور وہ امنوا کی فہرست میں داخل ہو کر خصوصی خطابات اور عنایات کا سزاوار ہوا۔ اب جہاں بدن کی ضروریات کو پورا کرنے کا ایک طریقہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ تکمیلِ ضرورت بھی ہوتی رہے۔ اور اللہ کی اطاعت بھی۔ وہاں کچھ عبادات بھی مقرر فرمائیں۔ جو مالی بھی ہیں، بدنی بھی ہیں اور جانی بھی۔

عبادات ہی رُوح کی اصل غذا، اور اس کی زندگی کا سامان ہیں تو جن لوگوں کا تعلق اللہ سے قائم ہوا اُن کے لیے مزید روحانی قوت اور قربِ الٰہی کے حصُول کے اسباب مہیا فرمائے جن میں سے ایک بہت بڑا ذریعہ صوم ہے اسی لیے ارشاد ہے کہ روزہ تم پر فرض کیا گیا ہے۔ یعنی ضروری قرار دیا گیا ہے اور یہ ایسی ضروری عبادت ہے کہ تم سے پہلے اُمتِ مسلمہ پر

فرض رہی ہے خواہ کیفیت میں یا دنوں میں فرق بھی ہو مگر روزہ ان پر بھی فرض رہا۔ اس لئے تم پر بھی فرض ہوا کہ تم اللہ سے ایک مضبوط تعلق قائم کرسکو جسے "تقویٰ" کہا گیا ہے یعنی اس کی غرض اصلی لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ صوم کے لفظی معنی رُکنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رُکنے کا نام ہے۔ اگر طلوع فجر کے بعد یا غروب آفتاب سے پہلے کچھ کھا پی لیا خواہ کتنی ہی تھوڑی دیر باقی تھی روزہ نہ رہے گا۔

جہاں تک اس کے فضائل کا تعلق ہے تو وہ بے شمار ہیں بلکہ یہ دین کے عمود اور شعائر میں سے ہے اور باقی سارا سال تو انسان حرام اور ناجائز سے پرہیز رکھتا ہے مگر اس مبارک ماہ میں اللہ کے حکم سے تمام حلال غذا بھی وقت معین تک چھوڑ کر کمالِ اطاعت کا اظہار کرتا ہے اور زمین پر بستے ہوئے، مادی وجود رکھتے ہوئے فرشتوں سے مشابہت پیدا کرتا ہے جس کو وصولِ رحمت میں ایک خاص دخل حاصل ہے۔

نتیجتاً اُسے وصفِ تقویٰ نصیب ہوتا ہے یعنی ایک ایسا تعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کہ جو ہاتھ کو اُٹھنے اور قدم کو چلنے سے تھام لے، اُسے حدود اللہ سے تجاوز نہ کرنے دے۔

ایامًا معدودات۔ یعنی گنتی کے چند روز ہیں کچھ بہت زیادہ نہیں بلکہ کھانے پینے کے لئے گیارہ ماہ اور روزے کے لئے صرف ایک ماہ ہے پھر اس میں بھی بیمار کو اور مسافر کو اجازت ہے دوران سفر یا مرض روزہ نہ رکھیں مگر ایسا نہ ہو کہ سعادت سے محروم ہو جائیں جب مریض تندرست ہو یا مسافر مقیم ہو تو جس قدر روزے نہ رکھ سکا تھا ان کی گنتی پوری کرے۔

بیمار سے مراد وہ بیمار ہے جسے روزہ رکھنے سے ناقابلِ برداشت تکلیف ہو یا مرض کے بڑھ جانے کا قوی امکان ہو اور مسافر سے مُراد وہ شخص ہے جو کم از کم گھر سے ایسے سفر پہ نکلے جو تین منزل ہو یعنی پیدل چلنے والا تین روز میں طے کرلے، جسے فقہا نے میلوں میں حساب کرکے اڑتالیس میل قرار دیا ہے کہ ارشاداتِ نبوی ﷺ اور تعامل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فقہا نے یہی اخذ کیا ہے۔ اسی طرح مسافر اگر کسی جگہ رُکے تو وہ مقیم قرار نہ دیا جائے گا جب تک ایک جگہ کا قیام پندرہ روز کا نہ ہو۔ اگر پندرہ روز ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مقیم ہو جائے گا لیکن ایک دو روز کے لئے رُکا اور کسی مجبوری کی وجہ سے وقت بڑھتا رہا، حالانکہ وہ چلنے کو تیار ہی رہا تو خواہ اس سے زیادہ روز بھی گزر جائیں مسافر ہی رہے گا یا پندرہ روز متفرق شہروں میں ٹھہرا تو بھی مسافر رہے گا اور اگر مریض صحت مند ہونے کے بعد یا مسافر مقیم ہونے کے اتنے دنوں کی مُہلت پائے تو روزوں کی قضا اُس پر واجب۔ لیکن اگر اس سے پہلے ہی فوت ہو گیا تو اس پر قضا نہ ہوگی نہ فدیہ نیز عدۃ من ایام اخر میں ترتیب کی قید نہیں بلکہ گنتی پوری کرنے کا حکم ہے اگر متفرق بھی رکھے تو جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

روزہ نہ رکھ سکنے کی صورت میں فدیہ

وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ۔ یعنی ایسے لوگ جو مریض یا مسافر نہیں، مگر روزہ رکھنا نہیں چاہتے اور اس کے بدلے صدقہ وغیرہ دینے کو تیار ہیں تو فرمایا۔

ان کے لئے فدیہ ہے' ایک فقیر کا کھانا ، یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر دوسری آیت نے اسے منسوخ قرار دیا اور بغیر مریض اور مسافر کے سب کو روزہ رکھنا ضروری قرار دیا کہ من شھد منکم الشھر فلیصمہ جو بھی رمضان المبارک کو پائے وہ ضرور روزہ رکھے ہاں، مریض، مسافر یا بوڑھے جو روزہ رکھنے کی ہمت رکھتے ہیں وہ معذور ہیں۔ ایسے بوڑھے یا ایسے مریض جن کے صحت مند ہونے کی اُمید نہ ہو۔ فدیہ دیں۔

فدیہ کی مقدار نصف صاع گندم یعنی پونے دو سیر ہے جس کی قیمت بازار کے مطابق ایک فقیر کو دے نہ ایک روزہ کا فدیہ دو میں تقسیم کرے اور نہ کئی روزوں کا فدیہ ایک ہی تاریخ میں ایک ہی آدمی کو دے۔ ہاں! اگر کسی کو اس کی طاقت بھی نہ ہو تو استغفار کرے اور نیت رکھے کہ جب بھی فراخی نصیب ہو گی ضرور ادا کروں گا۔ ان سب مراعات کے ساتھ کہ نیکی بہرحال نیکی ہے اگرچہ فدیہ دینا بھی نیکی ہے مگر وان تصوموا خیر لکم تمھارے لئے بہت بہتر یہ ہے کہ تم روزہ رکھو۔ اگر تمھیں علم ہے۔ اگر جانتے ہو تو جو کیفیت روزہ رکھ کر حاصل ہوتی ہے وہ فدیہ دے کر کہاں نصیب۔

اس لئے بہتر یہ ہے کہ روزہ رکھو اور اسے معمولی نہ جانو بلکہ مہینوں میں یہ مہینہ ہی ایک خاص فضیلت رکھتا ہے۔

شھر رمضان الذی .... لعلکم تشکرون۔

فضیلتِ ماہِ رمضان

یہی مبارک مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہُوا جو اللہ کا ذاتی کلام ہے اور اتنی عظمت کا حامل کہ ساری نوعِ انسانی کے لئے ہدایت ہے اور روشن دلیلوں سے مزین، حق اور باطل میں فرق بتانے والا ہے تمام انعامات میں خواہ وہ مادی ہوں یا رُوحانی اور جن کا شمار انسان سے ممکن۔ اعلیٰ انعام یہ ہے کہ انسان کو مخلوق کو۔ بے بس و بے کس کو خالق بے نیاز رحمت سے پکارے اور اُسے اپنے کلام کا شرف بخشے۔ سُبحان اللہ!

یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں نزولِ کلام ہوا۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس قدر کتابیں اور صحائف اللہ کی طرف سے انبیاء پر نازل ہوئے اور خود قرآن مجید اسی ماہ کی مبارک رات کو لوحِ محفوظ سے سماء دُنیا پر نازل ہُوا اور پھر مسلسل تئیس برس میں حضور اکرم ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوتا رہا۔ یہ مہینہ ہی بہت برکات کا حامل ہے۔ تم میں سے جو اس کو پالے وہ روزے رکھے۔ یہاں پالینے سے مُراد بحالت صلاحیت ہے یعنی مومن ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، اگر کافر نصف رمضان میں مسلمان ہوا یا نابالغ بالغ ہوا تو اس کے بعد روزے فرض ہوں گے گزشتہ کی قضا نہ ہو گی۔ ہاں! مجنوں اگر مسلمان تھا تو صلاحیتِ رمضان رکھتا تھا جب ہوش آیا تو سارے قضا کرے گا۔ اسی طرح مریض، مسافر یا حیض و نفاس والی عورت کہ جب روزہ کی صلاحیت پائیں گے تو سب روزے قضا کریں گے جس قدر بھی پہلے چھوڑ چکے ہوں۔

"پالینا" سے مراد خود رمضان کا چاند دیکھ لینا یا معتبر شہادت سے پتہ چل جانا اور یا پھر شعبان کے تیس دن پورے ہو جانا ہے اس کے بعد رمضان شروع ہو جائے گا اگر ۲۹ شعبان کو ابر وغیرہ ہو چاند نظر نہ آئے اور شرعی شہادت بھی میسر نہ

ہو تو روزہ نہ رکھا جائے گا۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے کہ یوم الشک کا روزہ نہ رکھے۔

چھ ماہ کے دن اور رات کے بارے

یہاں عجیب بات تو ان ممالک کی ہے جہاں دن رات مہینوں پر محیط ہوتے ہیں یعنی چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات۔ تو وہاں عادتاً رمضان المبارک کا پالینا صادق نہیں آتا۔ نیز جب فقہائے حنفیہ نے ان ہی کے دن رات سے نماز کا حکم دیا ہے کہ چھ ماہ کے دن میں پانچ نمازیں اپنے دن کے اعتبار سے ادا کرے گا یا مثلاً مغرب کے فوراً بعد صبح صادق طلوع ہوگئی تو عشاء فرض ہی نہ ہوگی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اُسی رائے کو اختیار فرمایا ہے اور بعض محققین نے اس کو اس بات پر قیاس کیا ہے کہ جب دجال ظاہر ہوگا تو دن سات سال کے برابر ہو جائے گا پھر دو سال اس سے کم۔ تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ﷺ نمازوں کا کیا ہوگا؟

فرمایا، اندازہ کر کے دن رات کی پانچ نمازیں پڑھی جائیں گی۔

یعنی سال کے دن میں نمازیں سال ہی کی پڑھی جائیں گی لہٰذا ان لوگوں کو بھی اندازہ کر کے نماز ادا کرنی چاہیئے۔

یہاں ایک بات ہے کہ ظہور دجال کے وقت عادتاً دن سال کا نہ ہوگا بلکہ اس کی نظر بندی وغیرہ کی وجہ محسوس ایسا ہوگا تو اس میں تو سال کی نمازیں فرض ہوئیں۔ یہاں ان ممالک میں عادتاً دن چھ ماہ کا ہوتا ہے یعنی دوسری دُنیا میں چھ مہینے گزرے ہیں اور وہاں ایک۔ اس بات کا مقتضیٰ تو یہی ہے کہ دن میں ان پر پانچ نمازیں ہوں اور روزے وہاں فرض ہی نہیں ہوتے کہ رمضان ہی کو نہیں پا سکتے بہرحال احتیاط اس میں ہے کہ جس طرح دُنیا کے ساتھ تعلقات کے لئے وہ گھڑیوں وغیرہ سے اوقات کی تعیین کرتے ہیں۔ عبادت کے لئے بھی کرلیں کہ عبادت رُوح کے لئے بمنزلہ غذا کے ہے اگر مادی غذا۔ بقائے جسم کے لئے ضروری ہے تو عبادات رُوح کی زندگی کے لئے لازمی۔ جب مادی غذاء کے لئے اوقات مقرر کرتے ہیں تو رُوحانی غذا کے لئے کیوں نہ کریں۔

جو بھی اس مبارک ماہ کو پائے ضرور روزے رکھے۔ ہاں! مریض اور مسافر کی سہولت بحال رکھی گئی کہ وہ قضا کر سکتے ہیں کہ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہیں گرفتارِ بلا کرنا نہیں چاہتا اور یہ تو اس لئے ہے کہ تم یہ گنتی پوری کرو۔

عید کی رُوح

تو اللہ کی عظمت بیان کرو کہ اُس نے تمہیں ہدایت دی، وجُود بخشا، توتیں دیں عقل و شعور عطا فرمایا، نعمتیں دیں اور اگر چاہے تو سب سلب کرنے پر بھی قادر ہے مگر حکم دیا کہ چندے ان چیزوں سے باختیار رُک جاؤ کہ تمہارے اس فعل کو انعام خاص کا ذریعہ بنا دوں۔

سُبحان اللہ! یہ اُسی کو سزاوار ہے کہ اس کی ذات عظیم ہے۔ اس کی عظمت بیان کرو اور اُس کا شکر ادا کرو، اُس کا احسان مانو کہ تم پر کس قدر رحمت اور برکات نازل فرما رہا ہے۔

واذا سالك عبادی .... لعلکم یرشدون۔

قبولیتِ دُعا

روزہ ایک طرف اگر کمالِ اطاعت ہے تو اس کا دُوسرا رُخ اجابت دُعا بھی ہے کہ صائم اپنے تمام ایسے امُور جن کو توجہ ہٹانے میں ایک حد تک دخل حاصل ہے چھوڑ دیتا ہے مثلاً کھانا پینا، جماع وغیرہ۔ تو اُس کی توجہ کلی طور پر اللہ کی طرف ہوتی ہے اور اسی حالت کو قربِ الٰہی اور اجابت دعا۔ کے لئے موزوں قرار دیا ہے کہ اللہ تو ہر حال میں قریب ہے انسان اپنی ضروریات اُلجھ کر اپنی توجہ ان کی طرف کر لیتا ہے۔ جب اُن کو اللہ کے حکم سے چھوڑا تو اُسے ایک خاص طرح کا قربِ الٰہی نصیب ہوا۔

ارشاد ہے کہ جب میرے بندے آپ ﷺ سے میرے متعلق پُوچھیں تو فرمادیں کہ میں بہت قریب ہوں۔

اس عِبَادِی یعنی میرے بندے فرمانے میں یہی حکمت ہے کہ جب وہ میری اطاعت میں مصروف ہوں اور میری طرف متوجہ ہوں تو انھیں میرا قُرب حاصل ہوتا ہے اور میں مانگنے والے کی دُعا قبول کرتا ہوں یہ سب کچھ تب ہی ہوتا ہے جب وہ میری اطاعت پر کمربستہ ہوں جس کے لئے اوّلاً میری عظمت کا اظہار ہے میری ذات وصفات پر ایمان لائیں اور اپنی پُوری کوشش میرے حکم کی بجاآوری پہ صرف کر دیں تاکہ انھیں میرا قُرب حاصل ہو اور میں ان کی دُعائیں قبول کروں اور یہی وہ راستہ ہے جو مقصدِ حیات ہے اور جو حقیقتاً صحیح راستہ ہے اور یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ صائم کی دُعا قبول ہوتی ہے جیسا کہ حضور اکرم کا ارشادِ گرامی ہے۔ للصائم عند فطرہ دعوۃ مستجابہ او کما قال۔ نیز اِنِّی قَرِیْبٌ سے اخذ ہوتا ہے کہ دعا آہستہ اور خفیہ کرنی چاہیئے۔

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم .... لعلھم یتقون۔

رمضان المبارک کے احکام ارشاد فرماتے ہوئے درمیان میں اپنے ایک خاص انعام کا ذکر فرمایا کہ جسے روزہ کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے یعنی اجابتِ دُعا اور پھر احکام رمضان ارشاد ہوتے ہیں۔

حیاتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم ایک عمومی معیار ہے

یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ کریم نے معیاری انسان قرار دے کر احکامِ شرعی کو نافذ فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اولیاء اللہ کی کثرتِ کرامات دیکھ کر لوگ سوچتے ہیں کہ چیزیں اس کثرت سے صحابہ سے کیوں منقول نہیں ؟ حالانکہ انھیں وہ درجہ حاصل تھا جو صرف انبی کا حصہ ہے تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی زندگی عمومی معیار قرار پائی اور جو حکم انھیں مشکل نظر آیا اللہ نے سہل فرما دیا۔ اسی طرح انھوں نے پُوری اُمت پر احسان فرمایا۔

اب یہی حکم لے لیجئے کہ شروع میں رمضان المبارک کا حکم یہ تھا کہ افطار کے بعد جب تک بیدار ہے درست، جب سو گئے تو روزہ شروع ہو گیا اور کھانے پینے اور جماع وغیرہ سے روک دیا گیا۔ بعض صحابہ اپنی بیبیوں سے شب باشی کے مرتکب ہوئے

مگر انھوں نے ہماری حرمت بات کو چھپایا نہیں بلکہ علی الصباح بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! مجھ سے یہ حرکت سرزد ہوئی۔ اسی طرح بعض کو یہ شکل پیش آئی کہ جیسے حضرت قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ انصاری دن بھر مزدوری کر کے شام کو گھر آئے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بیوی نے عرض کی کہ کہیں سے کوئی انتظام کر کے لاتی ہوں۔ مگر اس کے واپس آنے سے پہلے آنکھ لگ گئی اور روزہ بند۔ اب بیدار ہوئے مگر کچھ کھانے کی اجازت نہیں۔ دوسرے روز دوپہر کو نقاہت کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے چنانچہ اللہ نے رات بھر کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت دے دی اور روزہ بند کرنے کا وقت مقرر فرما دیا۔ اب خواہ کوئی سو کر اٹھے یا جس طرح بھی، بلکہ سو کر اُٹھے تو سحری کھانا سُنت قرار پایا۔

یہاں یہی ارشاد ہوتا ہے کہ اب رمضان المبارک کی شب بیبیوں سے مباشرت تمہارے لئے حلال کر دی گئی کہ تمہارے لئے شکل تھا اور بعض حضرات سے اس کی خلاف ورزی ہوئی مگر ایک بات سُن لو کہ محض شہوت رانی ہو۔

بلکہ اُس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے مقرر فرما دیا ہے۔ ماکتب

میاں اور بیوی

اللہ لکم ۔ یعنی یہ معاہدہ نکاح ایک مقدس عہد جس کے ذریعے مرد اور عورت مل کر ایک خاندان کی بنیاد رکھتے ہیں۔ نسلِ انسانی کی بقاء کا مقدس کام کرتے ہیں۔ اب اس لئے ان کی آپس میں محبت، تعاون اور ایک دوسرے کی خیرخواہی ایک دوسرے پر ضروری ہے تاکہ وہ دنیا کو اچھے انسان دیں معاشرے کو صالح افراد دیں۔ ایک ایسی نسل پیدا کریں اور اس کی اس طرح پرورش کریں اور اللہ کے پسندیدہ بندے ثابت ہوں۔

عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس۔ یہ لباس ہی زینت کا سبب بھی ہے اور گرمی سردی سے بچانے کا سبب بھی۔ یہ جسمانی عیوب بھی چھپاتا ہے اور انسان کا پردہ بھی رکھتا ہے اسی طرح تم باہم دگر ایک دوسرے کا بھرم رکھو۔ عزت، مال اور جان کی حفاظت کرو۔ ایک دوسرے کو آرام پہنچانے کی کوشش کرو۔ اللہ نے تمہاری مشکل آسان فرمادی۔

نیز جو اب تک تم خطا کر چکے معاف فرما دیا ہے اب تم کھاؤ پیو بھی اس وقت کہ صبح کی سفید دھاری، سیاہ دھاری سے علیحدہ نظر آئے اور روزے کو رات تک پورا کرو۔

سُنت کا مقام

یہاں جو حکم منسوخ ہوا وہ قرآن سے ثابت نہیں بلکہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس پر عمل ہوتا تھا لیکن یہاں اسے حکم الٰہی قرار دیا گیا ہے کہ سُنت سے ثابت حکم الٰہی میں سے ہے۔

لہٰذا اب سحری و افطاری کا واضح وقت مقرر فرما دیا کہ حتیٰ تبیّن یعنی جب تک تم پر صبح صادق کی سفید دھاری افق پر سیاہ دھاری سے یقینی طور پر واضح نہ ہو جائے کھانے پینے کی اجازت ہے وہم کی بنیاد پر پہلے روزہ بند کر لینا درست نہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان تمہیں کھانے پینے سے نہ روکے کہ وہ رات سے اذان کہہ دیتے ہیں۔ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان پر روزہ رکھو کہ وہ صُبحِ صادق پہ اذان دیتے ہیں۔

مگر یہ سب اُن لوگوں کے لئے ہے جن کو اُفق سامنے ہو اور سمجھ سکے ورنہ احتیاط کریں اور کسی سے پُوچھ لیں یا اذان سُن لیں۔ اگر کسی نے شبہ کی حالت میں یہ جان کر کھایا ابھی وقت ہے مگر بعد میں ثابت ہوا کہ وقت گزر چکا تھا تو گناہ اگرچہ نہ ہوگا مگر قضا لازم اور دوسری طرف رات تک روزہ پُورا کرو۔ یعنی غروب آفتاب پر روزہ افطار ہو جائے گا۔ بشیتر اس کے کہ رات چھا جائے الی الیل یعنی رات تک۔ اسے رات میں داخل نہ کرو۔

شیعہ حضرات جنہوں نے ایک متوازی اسلام بنانے کی کوشش کی ہے یہاں بھی تاخیر سے افطار کیا ہے کہ خوب رات چھا جائے تو افطار کرتے ہیں حالانکہ جب مشرق سے تاریکی اُٹھے۔ اور سُورج غروب ہو تو بشیتر اس کے کہ تاریکی پھیل جائے افطار کرنا چاہیئے اگر کسی نے غلطی سے بادل وغیرہ کی وجہ سے ایک آدھ منٹ پہلے افطار کرلیا اور بعد میں ثابت ہوا کہ درست نہ تھا تو قضا لازم۔ مگر عمداً افطار میں پہل یا سحری میں تاخیر ہوئی تو کفارہ لازم ہوگا۔ اس لئے مؤذن حضرات کو خاص احتیاط لازمی ہے کہ اُن کی اذان پر اکثر لوگ افطار کرتے ہیں۔

اب اس کے ساتھ اعتکاف کا حکم بھی واضح ہوا کہ یہ حلت مباشرت اعتکاف پر لاگو نہ ہوگی۔ اعتکاف خاص شرائط کے ساتھ مساجد میں ٹھہرنے کا نام ہے اور آخری عشرہ رمضان میں مسنُون۔

مرد حضرات صرف مساجد میں اعتکاف کے لئے ٹھہر سکتے ہیں نیز ایسی مسجد جہاں نماز پنجگانہ باجماعت ہوتی ہو کہ جو مسجد کی تعمیر کا مقصد ہے اور کھانے پینے کے بارے میں تو حکم وہی ہے مگر مباشرت منع۔ فضول بات کرنا یا بغیر عذر مسجد سے باہر جانا دُرست نہیں۔ نیز اس کے دوسرے احکام اعتکاف کے لئے مفصل مذکور ہیں دیکھ لئے جائیں۔

تلک حدود اللہ فلا تقربوھا۔

(یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں ان کے قریب ہی مت پھٹکو)

اسی لئے روزہ میں مبالغہ نہ کرنا چاہیئے یا بیوی سے بوس وکنار دُرست نہیں مکروہ ہے اور اوقاتِ سحر و افطار میں ایک آدھ منٹ کی احتیاط بہتر ہے۔

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، اور نہ حاکموں تک ایسی بات لے جاؤ کہ اس کے نتیجہ میں تم دُوسروں کا مال کھا سکو۔ یہ اگلا حکم ہے جو ایک طرح سے روزے کا ماحصل بھی ہے کہ جب تم نے اللہ کے حکم سے جائز اور پاک مال، جو تمھارے پاس موجود تھا نہ کھایا اور صُبح سے شام تک روزہ رکھا جب افطار کیا وہی کھانا تمھارے لئے ثواب ہُوا۔

اسلام اور جمہوریت

حافظ عبدالرزاق

خالق کائنات نے اپنی آخری کتاب میں اس حقیقت کا بڑے اہتمام سے اعلان فرمایا ہے کہ اس دُنیا میں زندگی بسر کرنے کا صرف وہی طریقہ خالق انسان کے نزدیک پسندیدہ ہے جس کا اصطلاحی نام "اسلام" ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

"إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ" (۳ : ۱۹)

یعنی اللہ کے نزدیک صرف ایک ہی نظامِ زندگی اور ایک ہی طرزِ حیات صحیح اور پسندیدہ ہے جس کا نام اسلام ہے۔

دُوسرے مقام پر ایک اور انداز میں اسی حقیقت کا بیان ان الفاظ میں ہوا ہے:

"وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ" (۳ : ۸۵)

یعنی جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور طریقہ زندگی اختیار کرنا چاہے تو اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ انجام کار ناکام و نامراد رہے گا۔

انسانی زندگی صرف سانس لینے کا نام نہیں بلکہ اس کے کچھ بنیادی اصول اور [illegible] ہوتے ہیں۔ پھر عملی زندگی کے مختلف شعبے ہیں مثلاً انفرادی زندگی، اجتماعی زندگی، گھریلو اور معاشرتی زندگی، تمدنی، معاشی اور سیاسی زندگی، حاکم اور رعایا کی حیثیت سے زندگی وغیرہ۔ لہٰذا خالق کائنات کا اسلام کے متعلق یہ اعلان اس امر کا متقاضی ہے کہ اسلام ایک جامع اور مکمل ضابطۂ حیات ہو، جس میں زندگی کے ہر شعبے کے متعلق رہنمائی اور ہدایات موجود ہوں۔

تخلیقِ آدم کے وقت خالق کائنات نے فرشتوں کو بتایا تھا کہ:

"إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً" (۲ : ۳۰)

یعنی میں کرۂ ارض پر اپنا ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

خلیفہ وہ ہوتا ہے جو اصل حاکم یا مالک کی مِلک میں اس کے تفویض کردہ اختیارات کو اس کے نائب کی حیثیت سے اس کی ہدایت کے مطابق استعمال کرے۔ خلیفہ یا نائب ان اختیارات کو اپنی مرضی یا پسند یا مالک کے سوا کسی دوسرے کی منشا کے مطابق استعمال کرنے لگے تو وہ غدار یا باغی تصور ہوتا ہے۔

آدم کو ایک اجنبی ملک میں بھیجا جا رہا ہے اور اس کو ایک ایسا کام سونپا جا رہا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا کہ آدم، اس کی مثال سامنے رکھ کے کام چلا سکے لہٰذا یہ ایک فطری بات ہے کہ آدم کے دل میں اس سلسلے میں کئی سوالات اُبھرے ہوں گے اور خالق چونکہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے اس لئے اس نے آدم کی تسلی کے لئے اس امر کی ضمانت دی کہ اس سلسلے میں رہنمائی کرنا میرا کام ہے۔ تیرا کام یہ ہے کہ اپنی اولاد کو بتا دے کہ تم نے اس اجنبی ملک میں رہ کر جینا اس طریقے سے ہے جو خالق خود سکھائے گا۔ اس کا فائدہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ" (۲۰ : ۱۲۳)

یعنی جب میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو بھی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ تو بھٹکے گا نہ بدبختی کا شکار ہوگا۔

چنانچہ خالق کی طرف سے وقتاً فوقتاً ہدایات آتی رہیں اور آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے خالق کائنات کچھ ایسے افراد منتخب کرتا رہا جن کو ہدایات دے کر یہ فریضہ سونپتا رہا کہ یہ ہدایات دوسروں تک پہنچاتے رہیں اور ان کے مطابق زندگی بسر کر کے دوسروں کے سامنے نمونہ پیش کرتے رہیں اور تمام اولادِ آدم کو ان ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے رہیں۔

یہ سلسلہ کچھ عرصہ تک یونہی چلتا رہا مگر ایک وقت ایسا آیا کہ اولادِ آدم دو

گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک وہ جو ان ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی روش پر قائم ہے جو خالق کائنات کے منتخب نمائندے کے ذریعے ان تک پہنچیں۔ دوسرا وہ گروہ جس نے ان ہدایات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے من مانے طریقے سے زندگی کا نقشہ تیار کر کے اس کے مطابق رہنے بسنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس حقیقت کی نشاندہی یوں کی گئی ہے:

"كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ" (۲ : ۲۱۳)

یعنی ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقہ پر تھے (پھر اختلافات رونما ہوئے) تو اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی کہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہوگئے تھے ان کا فیصلہ کرے (اور ان اختلافات کے رونما ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ ابتدا میں لوگوں کو حق بتایا نہیں گیا تھا بلکہ اختلاف ان لوگوں نے کیا جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا۔ انھوں نے واضح ہدایات پا لینے کے بعد محض اس لئے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔

ظاہر ہے کہ یہ اختلافات زندگی کے مختلف شعبوں میں رونما ہوئے ہوں گے اور یہ سلسلہ جو آگے چلا تو انسانی زندگی کا ہر شعبہ اس اختلاف سے متاثر ہوا۔ آخر نادان لوگوں نے زندگی کے ہر شعبے میں اختلاف کی راہ نکال لی۔

اجتماعی زندگی کا شعبہ وہ ہے جو کسی معاشرے کو حکومت اور رعایا دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ زمانہ قبل از تاریخ کو زیر بحث لانا مناسب نہیں۔ البتہ جہاں سے تاریخ نے انسان کے تمدن اور اجتماعی زندگی کی مختلف صورتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار اور مختلف ممالک میں حکومت کی مختلف شکلیں اختیار کی جاتی رہیں مثلاً بادشاہت اور وہ بھی خاندانی اور نسلی یعنی بادشاہ کا بیٹا بادشاہ۔ اس طرز حکومت میں دستور آئین یا قانون کی کوئی باضابطہ اور مدونہ صورت نہیں ہوتی تھی۔ ہاں بادشاہ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہوتا تھا اور اس کو چیلنج کرنے کا تصور بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ اسے مطلق العنان حکومت کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک صورت قبائلی طرز حکومت کی تھی۔ ارسطو نے ایک اور طرز حکومت کا نام اشرافیہ یعنی ارسٹوکریسی لیا ہے۔ ایک اور قسم محدود بادشاہت ہے جس میں بادشاہ کے اختیارات آئین یا روایات کے پابند ہوں۔

یہ سب اور ان جیسی اور صورتیں وہ ہیں جو انسان نے اپنے خالق کی ہدایات سے منہ موڑ کر خود ایجاد کریں۔ خالق کے اصول میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ کہ ملک میرا ہے مخلوق میری ہے اس لئے میری ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرو گے تو سکھی رہو گے۔ یہ اصول خالق کے آخری نمائندے تک قائم رہا اور اس عظیم نمائندہ کے تربیت یافتہ شاگردوں نے اسے پورے کرۂ ارض پر پھیلا کر دنیا کو دکھا دیا کہ حکومت کرنے کا ڈھنگ یہ ہے اور ثابت کر دیا کہ انسان کا حقیقی سکون امن اور خوشحالی اسی سے وابستہ ہے۔

ابھی ماضی قریب میں ایک طرز حکومت ایجاد ہوا۔ اس کی ایجاد کا سہرا مغربی دنیا کے سر ہے۔ پھر اس کا اتنا چرچا ہوا کہ پوری دنیا میں اسے معیاری طرز حکومت تسلیم کر لیا گیا۔ اس کا نام جمہوری طرز حکومت یا جمہوریت ہے۔ اس کا وجود مغرب سے مگر اب تو مشرق اس کا ایسا شیدائی بن گیا ہے کہ مغرب بجا طور پر کہہ سکتا ہے کہ کامیابی کا معیار یہ ہے کہ ع

خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری

اس کی کئی وجوہات ہیں مگر سب سے بڑی وجہ مشرق کی غلامانہ ذہنیت ہے جو افراد یا جماعتیں یہ پختہ یقین رکھتی ہیں کہ حق صرف وہی ہے جو مغرب سے آئے ان کو تو معذور سمجھنا چاہیئے۔ حیرت ان افراد یا ان جماعتوں پر ہوتی ہے جن کے پاس مکمل اور جامع کتاب ہدایت موجود ہے اور جن کو دنیا کی قیادت کا منصب سونپا کُنتُمْ خَیْرَ أُمَّۃٍ کے لقب سے نوازا گیا۔ وہ بھی ببانگ دہل اعلان پر اعلان کرتے ہیں کہ ہم جمہوریت پر یقین رکھتے ہیں۔ جمہوریت کی حفاظت ہمارا ایمان ہے وغیرہ اور ان میں ایسی عظیم اور قابل احترام ہستیاں بھی موجود ہیں جن کے زہد و تقویٰ اور علم و حکمت کو بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے۔ اس لئے گمان ہوتا ہے کہ شاید یہ حقیقت نفس الامری ہو کہ جمہوریت ہی انسان کے سب دکھوں کا مداوا ہے۔ مگر جب اللہ کی آخری کتاب کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو حقیقت اس سے بالکل مختلف نظر آتی ہے۔ لہٰذا جی چاہتا ہے کہ دل کھول کے ان کے سامنے رکھ دیا جائے جو درحقیقت رہنمائی کے اہل بھی ہیں اور غلطیوں کی اصلاح کرنا ان کا فرض بھی ہے اور اس کا سلیقہ بھی آتا ہے چنانچہ اس جذبہ اور اس غرض سے یہ چند گزارشات پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

(۱) ــــــ سب سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے کہ جمہوریت کی جس نعمتِ عظمیٰ سے مغرب نے ہمیں نوازا ہے اور جس پر ہم ہزار جان سے فدا ہو رہے ہیں اس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر ہم اپنے نمائندے انتخاب کر کے سامنے لائیں تاکہ وہ اس اسلامی ملک میں اسلام کی حکومت قائم کریں۔

اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ قوم کا ہر وہ فرد، مرد ہو یا عورت جو بالغ ہے اس امر کا فیصلہ کرنے کا اہل ہے کہ کون شخص اسلامی حکومت چلانے کی اہلیت رکھتا ہے؛ گویا سنِ بلوغت کو پہنچتے ہی انسان میں یہ کمال از خود پیدا ہو جاتا ہے کہ اسلامی حکومت ہر عنوان پر اس کو تنقیدی نگاہ کرنے کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے اور جسے ہم ووٹ کہتے ہیں وہ محض ایک رائے نہیں ہوتی بلکہ ووٹ دینے والے کا ایک حتمی فیصلہ ہوتا ہے جو وہ سوچ سمجھ کر پورے غور و خوض کے بعد دیتا ہے۔ اس اصول کے تحت ہمارا

پیاری سی موہنی جمہوریت کی نگاہ میں ایک جاہل گنوار اور ایک پی ایچ ڈی کا فیصلہ برابر ہے۔ دونوں کی سوچ برابر، دونوں کا فیصلہ برابر۔ کیونکہ دونوں بالغ ہیں۔ اسی طرح ایک چور اور ڈاکو اور سپریم کورٹ کے جج کا فیصلہ برابر۔ ایک ڈوم اور بھانڈ کے فیصلہ اور ملک کے صدر کے فیصلہ میں کوئی فرق نہیں۔ ایک شرابی اور زانی کا فیصلہ اور ملک کے مفتی اعظم کا فیصلہ ایک جیسی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ ایک اُجرتی قاتل اور جرائم پیشہ کا فیصلہ اور ملک کے وزیر اعظم کا فیصلہ برابر وزن رکھتے ہیں یعنی ؎

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں' تولا نہیں کرتے

اسلام کی بات تو بعد میں ہوگی پہلے یہ دیکھنا ہے کہ کیا عقل عامہ (کامن سنس) اس اصول کی تائید کرنے کی جرآت کر سکتی ہے کہ جاہل' اوباش اور ڈوم کا یہ فیصلہ، کہ فلاں شخص اسلامی حکومت چلانے کی اہلیت رکھتا ہے اسی قدر و قیمت کا حامل، جو ایک عالم فاضل' دیندار شخص کے فیصلہ کی ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی دانشور بقائمی ہوش و حواس فیصلہ دے کہ دونوں کی سوچ برابر ہے کیونکہ دونوں بالغ ہیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پبلک سروس کمیشن کے ممبران میں چن چُن کے ایسے لوگ کیوں رکھے جاتے ہیں جو بجک ڈسپیلسٹ ہوں سائیکاٹرسٹ ہوں۔ ایڈمنسٹریشن کے فن میں مہارت رکھتے ہوں وغیرہ۔ اگر بالغ رائے دہندگی کا اصول صحیح اور مفید ہے تو کیوں ایسا نہیں کیا جاتا کہ پبلک سروس کمیشن میں ایک دو رقاصائیں' دو چار ڈوم اور بھانڈ' ایک دو ڈاکو، اور چور، دو چار چرواہے اور گنوار بھرتی کر لیے جائیں جو بالغ ہوں اور کثرت رائے سے فیصلہ دے دیا کریں کہ فلاں شخص پروفیسر یا ڈاکٹر یا ایس پی یا ڈی سی کا کام کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ یہ کونسی عقل ہے جو فیصلہ کرتی ہے کہ یہ پروفیسر' جج' ڈی سی وغیرہ مقرر کرنے کے لیے ماہرین فن کی رائے لینا ضروری ہے مگر اسلامی حکومت چلانا ایسا عبث اور بے کار مشغلہ ہے کہ اس کے لیے اہلیت کا فیصلہ ہر نتھو کھیرا کر سکتا ہے کیونکہ وہ بالغ ہے اس کو فیصلہ کرنے کے لیے کسی علم، مہارت فن' شرافت اور انسانیت کی ضرورت نہیں؟ کیا یہ اسلام کے ساتھ مذاق' تمسخر اور استہزا نہیں ؟ عقل کی میزان پر تو یہ اصول نری حماقت نظر آتا ہے۔

آئیے! اب اسلام سے پوچھیں، وہ اس زریں اصول کے بارے میں کیا کہتا ہے اسلام کی ناقابل انکار اور ناقابل تغیر دستاویز یعنی قرآن کریم میں زندگی کا ایک اصول بتایا گیا ہے اور بتانے کا انداز بھی لاجواب ہے ارشاد ربانی ہے :

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" (۳۹ : ۹)

یعنی اے میرے نبی! (جو میرے بندوں پر میری حکومت چلانے اور میرا آئین نافذ کرنے کے لیے میرا نمائندہ ہے) ذرا ان لوگوں سے پوچھ کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوتے ہیں؟ اس طرزِ سوال کے اندر ہی اس کا جواب موجود ہے۔ بشرطیکہ عقل کا کوئی شمہ موجود ہو کہ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہوتے۔

یہ اصول ایسا جامع' اتنا ہمہ گیر اور اس قسم کا بین الاقوامی اصول ہے کہ معمولی سوجھ اور عقل والا انسان بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا اور یہ "جاننا" اور "نہ جاننا" اتنا وسیع مفہوم رکھتا ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو اس کے دائرہ سے باہر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً فن طب کا جاننے والا یعنی ڈاکٹر اور طبیب اور اس فن کو نہ جاننے والا کیا برابر ہوتے ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو صحت کے کسی مسئلہ کے بارے میں ایک ڈاکٹر کا فیصلہ اور ایک گنوار اور بھانڈ کا فیصلہ برابر ہوگا؟ اسی طرح ایک شخص جو انجنیئرنگ میں پی ایچ ڈی ہے اور دوسرا جو اس فن کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ کیا اس فن کے متعلق دونوں کا فیصلہ ایک ہی حیثیت رکھتا ہے؟ اگر نہیں تو نہ جاننے والے سے فیصلہ طلب کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی طرح اسلام کا علم رکھنے والا اگر کسی شخص کے متعلق فیصلہ دے کہ یہ شخص اسلامی حکومت چلانے اور اسلام نافذ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور دوسرا وہ شخص جو اسلام کا مطلق علم نہیں رکھتا اس کا فیصلہ پہلے شخص کے برابر ہوگا کیا؟ اگر نہیں تو کسی جاہل سے یہ فیصلہ طلب کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ معلوم ہوا کہ جمہوریت کا یہ اصول صرف اسلام کے خلاف ہی نہیں بلکہ عقل و دانش کی نفی ہے۔

قرآن نے یہ سوال کرنے کے ساتھ ہی اس حقیقت سے آگاہ فرمایا کہ:

"إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ" (۳۹ : ۹)

یعنی یہ اصول کہ جاننے والا اور نہ جاننے والا برابر نہیں ہوتے وہی شخص پلّے باندھے گا جو عقل و دانش رکھتا ہو۔ اور جمہوریت کی بسم اللہ ہی اس اصول کی نفی سے ہوتی ہے۔ اب کون بتائے کہ جمہوریت کا یہ اصول اسلام کے مطابق تو کیا ہوتا یہ تو حماقت اور جہالت کا شاہکار ہے۔

قرآن کریم نے اس سوال کے علاوہ ایک اور مقام پر ایک صاف اور صریح حکم بھی دیا کہ:

"وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" (۴۵ : ۱۸)

یعنی نہ جاننے والوں کی خواہشات کی پیروی مت کر!"۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نہ جاننے والے جو فیصلہ کرتے ہیں وہ کسی علم یا حقیقت شناسی کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ ان کی خواہشات نفس کا کرشمہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جاہل کی خواہشات میں جہالت کی نمائندگی کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ اسلام کہتا ہے کہ نہ جاننے والوں کی بات مت مان اور اس کی پیروی مت کر! مگر جمہوریت کہتی ہے کہ جاہل کی بات اسی جذبہ سے سینے سے لگا لے جس جذبہ سے عالم کی بات کو قبول کرتا ہے بلکہ جاہلوں کی زیادہ قدر کر کیونکہ بڑی آسانی سے اُنکو ورغلایا جا سکتا ہے۔

(۲) —— جمہوریت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ حق وہ ہے جس کی تائید اکثریت کرے۔ اور اکثریت کے فیصلے کو نافذ کرنا جمہوریت کا فرض بھی ہے اور جمہوریت کی روح بھی ہے۔

اس اکثریت کے اصول کی داستان بڑی طویل ہے اس کی ابتدا تخلیق آدم علیہ السلام کے واقعہ سے ہوتی ہے۔ جب ابلیس نے اللہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تو اللہ نے اسے دُھتکار دیا۔ یہ سُن کر اس نے چیلنج دے دیا :

"قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ" (۷ : ۱۶، ۱۷)

یعنی ابلیس کہنے لگا، اچھا جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا ہے۔ میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا آگے پیچھے دائیں بائیں سے ہر طرف سے انھیں گھیروں گا اور اکثریت تیری طرف نہیں ہوگی بلکہ یقیناً میرے ووٹ زیادہ ہوں گے۔

یہ گویا جمہوریت کے اس دوسرے اصول کی بسم اللہ تھی جیسا کہ ہر سیاسی جماعت کا لیڈر انتخاب کے دنوں میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اکثریت ہماری ہوگی خواہ لیڈر صاحب کی اپنی ضمانت ہی ضبط ہو جائے۔ اسی طرح ابلیس نے بھی یہ چیلنج دیا کہ اکثریت میرے ساتھ ہوگی۔ اس کو اپنی کنوینسنگ پر اتنا اعتماد تھا کہ کہنے لگا، ایسے سبز باغ دکھاؤں گا اور ایسے وعدے کروں گا کہ اولادِ آدم میرے بھرتے میں آجائے گی اور صاف بتا دیتا ہوں کہ اکثریت میرے ساتھ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ جو علیم و خبیر ہے اس نے ابلیس کو کھلی چھٹی تو دے دی مگر یہ نہیں فرمایا کہ اکثریت میرے ساتھ ہوگی بلکہ صاف طور پر فرما دیا:

(۱) "وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ" (۵ : ۴۹)

یعنی انسانوں کی اکثریت نافرمان اور بدکار ہوتی ہے۔

(۲) "وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ" (۱۱ : ۱۷)

اکثریت ان لوگوں کی ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

(۳) "وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ" (۱۶ : ۸۳)

اکثریت کافروں کی ہوتی ہے۔

(۴) "وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ" (۱۲ : ۱۰۳)

اے میرے نبی! ﷺ آپ کتنا ہی چاہیں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

قرآن کریم میں "اکثر" کا لفظ اٹھہتر مقام پر آیا ہے اور ہر جگہ فاسقوں، کافروں، حق سے نفرت کرنے والوں، جھوٹوں اور بدکاروں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اور کثیر کا لفظ چوہتر جگہ آیا اور بیشتر مقامات پر ایسے ہی لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔

قرآن کریم کہتا ہے اکثریت جاہلوں، بدکاروں، کافروں، منافقوں اور مشرکوں پر مشتمل ہوتی ہے اور جمہوریت کہتی ہے کہ حق وہی ہوتا ہے جدھر اکثریت ہوتی ہے اب اگر جمہوریت پر یقین رکھا جائے جیسا کہ ہماری ساری سیاسی جماعتیں اعلان کرتی ہیں اور جمہوریت کا فیصلہ تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ کفر و شرک فسق و فجور ہی حق ہے کیونکہ اکثریت اسی طرف ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جمہوریت پر یقین رکھنے والوں کو ماننا پڑے گا کہ ایمان لانا، اسلام کے دائرے میں آنا، نیکی اور حق پرستی سب ٹھکرا دینے کے لائق ہیں کیونکہ انھیں اکثریت کی تائید حاصل نہیں۔

ذرا سوچئے! کہ کیا کوئی مسلمان یہ کہنے کے لئے تیار ہے؟ یہ کہتے نہیں مگر کر یہی کچھ رہے ہیں۔

قرآن کریم میں ایک نکتہ یوں بیان ہوا ہے کہ قرآن کریم میں پندرہ مقامات پر آیا ہے، "وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ"۔ اور چودہ مقامات پر مختلف اقوام کا ذکر کر کے فرمایا ہے، "وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ"۔ یعنی نہ جاننے والوں کی اکثریت ہے۔ جس سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ اکثریت نہ جاننے والوں کی ہے اس لئے جیتے گا جدھر یہ ہوں گے اور ظاہر ہے کہ انسان اپنے ہم مشرب اور ہم مسلک کو پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ان کے ووٹوں سے جو جیتے گا وہ مہاجاہل ہوگا کیونکہ من بھر دودھ کو بلونے سے جو سیر بھر مکھن نکلے گا، من بھر کا سارا زہر اس میں سمٹ کر آجائے گا۔

پچھلے دنوں ہمارے ایک پرانے سیاستدان نے جو منتخب حکومت کے منتخب ممبر ہی نہیں بلکہ بہت بڑے وزیر رہے ہیں اخبار میں بیان دیا کہ:

"ہماری اسمبلیوں میں پچانوے فیصد جرائم پیشہ لوگ ہیں"

یہ بیان پڑھ کر بے اختیار زبان سے نکلا۔ صدق اللہ العظیم۔ کہ اللہ کریم نے فرمایا ہے کہ اکثریت جاہلوں، فاسقوں، بدکاروں اور بے ضمیروں کی ہے اور ظاہر ہے کہ ان کے ووٹوں سے ان جیسے لوگوں کو ہی ابھر کر اوپر آنا ہے اور اس بزرگ کو کسی اناڑی کی بڑ نہیں بلکہ وہ تو گھر کے بھیدی ہیں۔ رہی یہ بات کہ باقی پانچ فیصد کیسے ہیں اور کیسے انتخاب میں آگئے۔ اللہ ہی جانے۔ بہر حال یہ جمہوریت جہاں سے آئی ہے وہاں کا ایک دانائے راز کہتا ہے:

"جمہوریت ایسا نظام ہے جس میں اعلیٰ اور نیک خصلت مگر خاموش انسانوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ یہاں اقتدار لاف زنی کرنے والوں اور دھوکا بازوں کے حصے میں آتا ہے۔" (کارلائل)

معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کو اپنی اس کوالیفیکیشن کا احساس تھا اس لئے بڑے وثوق سے کہہ دیا کہ اکثریت میرے ساتھ ہوگی۔ اور یہ بات عقل کے عین مطابق ہے کہ ایسی اکثریت جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اس کا فیصلہ عقل یا علم کی بنا پر تو ہو نہیں سکتا پھر اس کی بنیاد کیا ہوتی ہے؟ اس حقیقت پر سے ایک اور ممتاز مفکر نے پردہ اٹھایا ہے کہتا ہے:

"رائے عامہ کا سرچشمہ نہ تو علم ہوتا ہے نہ عقل و فہم بلکہ اسے ہمیشہ اپنے اپنے گروہ کے مفادات جنم دیتے ہیں۔"

(جمہوریت کا بحران - ہیرلڈ لاسکی)

سچ کہا ترجمانِ حقیقت نے ؎

گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو   کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

یعنی جمہوریت سے نکل بھاگ اور دانائے راز اور پختہ کار کی پیروی کر، کیونکہ

دو مل کر بھی وہ بات نہیں سوچ سکتے جو کسی ایک انسان کی عقل میں آسکتی ہے۔ اکثریت کے اس عمومی فیصلہ کی قدر و قیمت بتلانے کے علاوہ قرآن کریم نے سورۃ الشعراء میں سات قوموں کا ذکر فرما کر اکثریت کی حقیقت مزید واضح کر دی۔

(i)۔ سب سے پہلے قوم فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت فرمایا، اور فرمایا کہ: "وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ"۔ یعنی اس قوم کی اکثریت نے فرعون کے اقتدار کی تائید کی۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معمولی سی اقلیت تھی۔

پھر فرعون کی کنویسنگ کے کچھ نمونے بھی بیان فرمائے مثلاً:

"قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُم بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ" (۲۶: ۳۴، ۳۵)

یعنی فرعون نے اپنے گرد و پیش کے سرداروں اور لیڈروں سے کہا، یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے، اب بتاؤ! تمہارا فیصلہ کیا ہے؟"

انہوں نے کچھ تدبیریں بتائیں کہ اس جادوگر کے جادو کا توڑ کیا ہے مگر ان میں سے کچھ چیلے اپنے قائد عوام کی ہاں میں ہاں ملاتے، بلکہ اس پر کچھ اضافہ کرتے ہوئے کہنے لگے:

"قَالُوا إِنْ هَٰذَانِ لَسَاحِرَانِ يُرِيدَانِ أَن يُخْرِجَاكُم مِّنْ أَرْضِكُم بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ" (۲۰: ۶۳)

کہنے لگے یہ دونوں (موسیٰ اور ہارون)، تو محض جادوگر ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہاری زمین سے تمہیں بے دخل کر دیں اور تمہارے مثالی طریق زندگی کا خاتمہ کر دیں۔

دیکھ لیجئے! جمہوریت کے لئے کنویسنگ کا طریقہ کیسا بکھ بندھا ہے آج تک چل رہا ہے۔ فرعون اِسی کو "مثالی طریقِ زندگی" کہہ رہا ہے جس میں حزبِ مخالف کے بچوں کو قتل کرنا اور بچیوں کو اپنی خدمت کے لئے زندہ چھوڑنا فحاشی بے حیائی اور بے دینی کی زندگی کو مثالی زندگی کہا جا رہا ہے۔ آج بھی اسی طرح ہر جمہوری حکمران اپنے طریق زندگی کو مثالی قرار دیتا ہے۔

جمہوریت یہ کہتی ہے کہ اکثریت فرعون کے ساتھ تھی۔ لہٰذا اقتدار پر قابض رہنا فرعون کا جمہوری حق تھا کیونکہ وہ منتخب حکمران تھا مگر اللہ نے اسے غرق دریا کر دیا اور اسی دریا سے اس اقلیت کو بسلامت پار اُتارا جو واقعی حق پر تھی۔

(ii)۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ بیان فرمایا اور بتایا کہ "وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ"۔ یعنی اکثریت نے حضرت ابراہیم کے خلاف ووٹ دیئے۔

(iii)۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے متعلق فرمایا: "وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ"۔ یعنی اکثریت نے حضرت نوح علیہ السلام کی مخالفت کی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے قادرِ مطلق کے سامنے درخواست پیش کر دی کہ اس قوم کا یوں صفایا کر کہ ان کا کوئی بچہ بھی سطحِ زمین پر نظر نہ آئے۔ چنانچہ اکثریت والے گروہ کو طوفان کے حوالے کر دیا گیا۔

پھر قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور قوم شعیب کے متعلق یہی بیان فرمایا کہ: "وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ"۔ سب قوموں کی اکثریت نے حق کے خلاف ہی فیصلہ دیا۔

ان سات قوموں کے حالات کے مطالعہ سے کچھ حقائق سامنے آتے ہیں مثلاً:

اللہ تعالیٰ آمرِ مطلق بھی ہے اور قادرِ مطلق بھی۔ اس نے جب کبھی اور جہاں کہیں اپنا کوئی نمائندہ بھیجا اس کے متعلق بتایا کہ "وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ"۔ یعنی ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے صرف اُسی کی اطاعت کی جائے مگر ان ساتوں اقوامِ عالم نے قومی سطح پر خالقِ کائنات کے آئین اور دستور کے خلاف ووٹ دیئے اور ہر قوم کی واضح اکثریت بلکہ غالب اکثریت نے اس آئین کو مسترد کر دیا۔ قوم فرعون کی اکثریت نے فرعون کا ساتھ دیا۔ تمام سیاسی لیڈر فرعون کے دربار کے کرسی نشین تھے۔ پس فرعون ہی قوم کا منتخب حکمران تسلیم کیا جاتے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ معمولی اقلیت تھی، اکثریت نے نمرود کی تائید کی۔ جو تھوڑے سے افراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے وہ بھی اتنے کمزور اور بے بس تھے کہ جب منتخب حکومت نے ان کے نمائندے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا وہ انھیں بچا نہ سکے بلکہ اتنے دبے ہوئے تھے کہ کوئی احتجاجی جلوس نکالنے کی ہمت بھی نہ ہوئی۔ پس جمہوریت کا فیصلہ یہی ہے کہ نمرود ہی منتخب حکمران تھا۔

پھر قوم نوح علیہ السلام کی اکثریت نے حضرت نوح علیہ السلام کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور ان پر پھبتیاں کسنا اپنا روزمرہ کا معمول بنا لیا۔ ان کی دعوت کا جواب اس انداز میں دیا کہ ذرا اپنی پارٹی کو دیکھئے! قوم کے گھٹیا اور رذیل لوگ تمہارے گرد جمع ہو گئے ہیں۔ ہم شرفا۔ جاگیردار اور خوش حال لوگ ان رذیلوں کے ساتھ مل کر بھلا کیسے تمہاری پارٹی میں شامل ہوں۔ چنانچہ جمہوریت نے فیصلہ دے دیا۔ حق ادھر ہے جدھر اکثریت ہے۔

پھر قوم عاد کی اکثریت بھی حضرت ھُود علیہ السلام کے خلاف ہو گئے کہ تم اپنی دلیلیں اپنے پاس رکھو، ہارے ہوئے اور قوم کے مسترد کئے ہوئے لیڈر ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔ پس جمہوریت کا فیصلہ حضرت ھُود علیہ السلام کے خلاف ہوا۔

اسی طرح قوم ثمُود نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت پر ان سے مطالبہ کیا کہ اپنی دعوت کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے دلیل پیش کرو، آپ نے ان کا مطالبہ پورا کر دیا مگر اکثریت نے پھر بھی ان کا ساتھ نہ دیا اور جمہوریت نے اکثریت کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

اسی طرح قوم لوط نے حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور اپنی زندگی کی اس مثالی روش پر قائم رہنے پر اصرار کرنے لگے جو روش آج صدیوں بعد ڈنمارک نے اکثریت کی تائید کی وجہ سے اختیار کر لی ہے اور بڑے فخر سے دُنیا بھر میں اس کا پرچار کیا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے بھی اکثریت کے بل بوتے پر حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔

جمہوریت کے اس اصول کے برعکس اسلام کہتا ہے کہ ان سات اقوام میں حق ہمیشہ اس طرف تھا جس طرف اقلیت تھی۔ چنانچہ اسلام کو دینِ حق قرار دینے والے قادرِ مطلق نے یہ فیصلہ دیا کہ یہ اکثریت اور اس کے منتخب حکمران اس قابل نہیں کہ سطحِ زمین پر چلتے پھرتے نظر آئیں بلکہ اس کے مستحق ہیں کہ آنِ واحد میں غرقِ دریا کر دیئے جائیں یا پیوندِ زمین۔ اور اللہ کی زمین پر حکمرانی کا کام اُن کے سپرد کیا جائے جو گو اقلیت میں ہیں۔ مگر معیاری انسان ہیں اور انسانیت کی خدمت کی صحیح اہلیت رکھتے ہیں۔ انکی خصوصیت یہ ہے کہ یہ لوگ دوسروں پر اپنی مرضی اور اپنی پسند بہ جبر مسلط نہیں کرتے بلکہ حقِ نیابت ادا کرتے ہوئے اللہ کے بندوں پر اللہ کا حکم نافذ کرتے ہیں۔

ان اقوام کی فردِ جرم کے طور پر قرآن نے کچھ اجمالی ارشادات دیئے ہیں، مثلاً قوم فرعون کی اکثریت نے جسے حق قرار دیا قرآن نے اس کے متعلق فرمایا:

"وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ" (۱۱ : ۹۷)

یعنی فرعون کی روش حق سے ہٹی ہوئی تھی۔

دوسرے مقام پر فرمایا: "وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ" (۲۰ : ۷۹)

یعنی فرعون نے قوم کو گمراہ ہی کیا تھا، سیدھی راہ نہیں دکھائی تھی۔

پھر جمہوریت میں اکثریت کی تائید حاصل کرنے کے لئے جو تکنیک استعمال کی جاتی ہے اس کی نشاندہی کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا:

"فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ" (۴۳ : ۵۴)

یعنی فرعون نے قوم کو بے وقوف بنایا اور وہ اس کے کہنے میں آ گئے درحقیقت وہ تھے ہی غلط کار لوگ۔

معلوم ہوا کہ جو چرب زبان نمائندہ عوام کو بے وقوف بنانے کا فن جانتا ہو، اکثریت کی تائید حاصل کر لیتا ہے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے متعلق قرآن نے حضرت نوح علیہ السلام کے ریمارکس بیان کئے کہ:

"وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ" (۱۱ : ۲۹)

یعنی دیکھ رہا ہوں کہ تم جہالت برت رہے ہو۔

قوم عاد کی حالت بیان کی کہ:

"وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ" (۱۱ : ۵۹)

یعنی انھوں نے ہر سرکش دشمنِ خدا کی پیروی کا فیصلہ کیا۔

قوم ثمود کو حضرت صالح علیہ السلام نے جس روش سے روکا اس کا بیان یوں فرمایا کہ:

"وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ" (۲۶ : ۱۵۱، ۱۵۲)

یعنی اِن حد سے تجاوز کرنے والوں کے پیچھے چلنا چھوڑ دو، جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور خرابیوں کی اصلاح نہیں کرتے۔

غرض ہر قوم کی اکثریت نے فتنہ و فساد، غنڈہ گردی اور بے حیائی کی ہی تائید کی اور اسی کو حق قرار دیتے رہے۔ پس قرآن کی رُو سے جمہوریت کا دوسرا اصول کہ اکثریت کا فیصلہ حق ہوتا ہے، باطل ٹھیرا بلکہ یہ اصول عملاً شرافت اور انسانیت کی نفی ہے۔

(۳) ـــــــ جمہوریت کا تیسرا اصول، جو درحقیقت جمہوریت کی اصل اور بنیاد قرار پایا ہے یہ ہے کہ "اقتدارِ اعلیٰ کے مالک دراصل عوام ہیں"۔

ماہرینِ سیاسیات نے اقتدارِ اعلیٰ کی تعریف اپنے مخصوص علمی انداز میں بیان کی ہے گو ان کے الفاظ مختلف ہیں مگر سب کا ماحصل ایک ہے مثلاً:

i۔ یہ ریاست کی ایسی خصوصیت ہے جس کی بدولت اسے ماسوائے اپنی منشا کے قانونی طور پر پابند نہیں کیا جا سکتا اور نہ اسے کوئی دوسری طاقت محدود کر سکتی ہے۔ (JELLINEK)

ii۔ اقتدارِ اعلیٰ قانونی طور پر ہر فرد اور ہر گروہ پر فوقیت رکھتا ہے۔ اور برتر اور جبری اختیارات کا حامل ہوتا ہے۔ (LASKI)

iii۔ اقتدارِ اعلیٰ ریاست کا وہ اصل، مطلق اور لامحدود اختیار ہے جس کے تحت تمام افراد اور انجمنیں ہوں۔ (BURGESS)

خلاصہ یہ ہوا کہ اقتدارِ اعلیٰ دراصل لامحدود اختیارات کا نام ہے اور یہ کہ اقتدارِ اعلیٰ کے احکام طاقت اور جبر سے بھی منوائے جا سکتے ہیں۔ اور اقتدارِ اعلیٰ کسی دوسری طاقت کے تحت نہیں ہوتا۔

جمہوریت کے اس بنیادی اصول اور اسلام کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا مشرق اور مغرب میں ہوتا ہے اور ان میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ظلمت اور نور میں ہوتا ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ کے سلسلے میں اسلام کا اعلان یہ ہے کہ:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ" (۱۲ : ۴۰)

یعنی فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا کسی کی اطاعت نہ کرو۔ یہی سیدھا اور پختہ طریقِ زندگی ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس حقیقت کو نہیں جانتی۔

جس طرح جمہوریت کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ کے اصل مالک عوام ہیں اسی طرح اسلام کی بسم اللہ اس عقیدے سے ہوتی ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ گویا یہاں تو جمہوریت خم ٹھوک کر میدان میں آگئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو دعوتِ مبارزت دے رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے خلاف اعلانِ جنگ کر رہی ہے۔ جمہوریت کا دعویٰ ہے کہ اے اللہ! مختارِ مطلق تُو نہیں، میں ہوں۔ یہاں تیری مشیت نہیں، میری منشا چلے گی۔ برتر تُو نہیں، میں ہوں۔ انسان تیرا خلیفہ اور نائب

...ہیں بلکہ نافذِ مطلق ہے ۔

پس معلوم ہوا کہ جمہوریت کے پہلے دو اصولوں کی طرح یہ تیسرا اصول بھی، اسلام کی نفی بلکہ اسلام کے خلاف کھلی بغاوت بلکہ صریح شرک اور کفر ہے ۔

(۴) ـــــ جمہوریت کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اخلاقی قدریں مستقل نہیں ہوتیں. گو یہ ایک الگ اور امتیازی خصوصیت ہے. مگر در اصل یہ نتیجہ ہے جمہوریت کے دوسرے اور تیسرے اصول کا، کہ حق وہ ہے جس کی تائید اکثریت کرے اور اقتدارِ اعلیٰ عوام ہیں اور اقتدارِ اعلیٰ کی طاقت لامحدود ہوتی ہے ۔

یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ مغرب کے جمہوری ممالک میں اس کے متعدد نمونے ملتے ہیں. مثلاً امریکہ میں ایک دفعہ پارلیمنٹ نے شراب کی ممانعت کر دی، زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ اسی پارلیمنٹ نے اس کے جواز کا قانون بنا دیا کیونکہ اکثریت نے جب عدم جواز کو پسند کیا تو یہ قانون بن گیا پھر جواز کو پسند کیا تو اس کو قانونی حیثیت حاصل ہو گئی ۔ اسی طرح ڈنمارک میں عورتوں کی جگہ لڑکوں سے نکاح کا قانون بنا لیا کیونکہ اکثریت نے پسند کیا اور لواطت کے جواز کی سند بن گئی۔ یہ وہ بداخلاقی ہے کہ جس کی بناء اللہ تعالےٰ نے ایک پوری قوم کو پتھروں کی بارش برسا کر ہلاک کر دیا تھا ۔ اس اصول کی برکات کا کہنا، عین ممکن ہے کہ کل تک کسی جمہوری ملک میں ماں، بہن بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا جائز قرار دے دیا جاتے. کیونکہ جائز و ناجائز کا معیار عوام کی اکثریت کی پسند و ناپسند ہے ۔

یہاں تو جمہوریت پوری طرح انسانیت کے دائرے سے نکل کر حیوانیت کی حد پا گئی ہے. اس پر جمہوریت کے گُن گائے جاتے ہیں. اسلام تو کیسی ارفع اور با اصول زندگی ہے. ہر معاشرے میں کچھ بنیادی انسانی اخلاق ہوتے ہیں، جو غیر تبدیل ہوتے ہیں. مگر جمہوریت کا کیا کہنا. اس کا طوفان تو انسانیت اور شرافت کو بھی بہا کر لے گیا ہے ۔

مغرب کو چھوڑیئے! خود اپنی تاریخ پر ایک سرسری نگاہ ڈالیے. ۱۹۴۷ء تک جمہوریت کی شیدائی مسلمان قوم یہ نعرہ لگاتی رہی کہ پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ ۔ ۱۹۷۳ء میں جا کر یہ طے ہُوا کہ ملک کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" رکھا جاتے اور وہ بھی محض اس وجہ سے کہ ایک سچ مچ کا مسلمان کسی طرح اقتدار میں آگھسا تھا ۔ اور اس نے ہی اس ...سالہ جمود کو توڑا ۔ اور یہ پہلا اور آخری شخص ہے جس نے جمہوریت کے غیر اسلامی ماحول سے تنگ آکر اقتدار پر تین حرف بھیجتے ہوئے استعفیٰ دے دیا ۔

یہ بات تو ماضی کا حصہ بن گئی ۱۹۸۹ء میں یہ حالت سامنے آئی کہ صدرِ مملکت نے بیان دیا کہ اسلام میں تو عورت ملک کی سربراہ نہیں بن سکتی مگر ملک کے آئین میں اس پر کوئی پابندی نہیں ۔ یعنی بیالیس ۴۲ سال گزرنے کے باوجود آئین اسلامی نہیں بنا کیونکہ اسمبلی میں اکثریت ان حضرات کی رہی ۔ جن کو انگریز کی معنوی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے ۔ عجیب دو رنگی ہے کہ جس ملک کا آئین ہی غیر اسلامی ہو بلکہ علی الاعلان طور پر اسلام کے خلاف ہو اس کو عظیم اسلامی سلطنت بھی کہا جاتے ۔

جفائیں بھی ہیں، فریب بھی ہیں نمود بھی ہے سنگھار بھی ہے
اور اس پہ دعوائے حق پرستی اور اس پہ یاں اعتبار بھی ہے

اسلام سے یہ بے اعتنائی، بلکہ بے وفائی کیوں؟ صرف اس لئے کہ یہ جمہوریت ہے یہاں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالےٰ نہیں بلکہ عوام ہیں اور عوام نے اپنے ووٹوں کے بل بوتے پر جو نمائندے اسمبلی میں بھیجے ۔ ان کی اکثریت اسلام کی تائید کے لئے تیار نہیں ۔ اس لئے یہ بحث ہی بے معنی ہے کہ یہاں عورت سربراہ ہو سکتی ہے یا نہیں. جب آئین اسلامی نہیں اور جمہوریت کا راج، تو مملکت اسلامی کیسے ہوتی؟ جب یہ نہیں تو جمہوریت کی مرضی ہے خواہ وہ عورت چھوڑ، کسی ہیجڑے کو سربراہ بنا لے ۔

ایک پرانے وزیرِ دفاع، تالپور مرحوم کا ایک بیان یاد آرہا جو اخبار میں چھپا تھا۔ فرمایا کہ:

"میں یہ بات تسلیم نہیں کرتا کہ پاکستان اسلام کے نام پر معرضِ وجُود میں آیا ۔ اگر ایسا ہوتا تو کیا غلام محمد، ایوب خان، یحیٰے خان، سکندر مرزا اور بھٹو جیسے لوگ اس ملک کے حکمران ہوتے؟"

حیرت ہے کہ جمہوریت کا ایک عظیم پرزہ ہو کر کتنی عظیم اور سچی بات کہہ گیا ہے۔

اسلام نے جو یہ تعلیم دی ہے کہ مقتدرِ اعلیٰ وہی ہے جو خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ تو کسی ملک کی جمہوریت کی اکثریت کیا، کسی ملک کی پوری آبادی بلکہ ساری دُنیا کے انسان اسلام کے کسی حکم کے خلاف ووٹ دے دیں جب بھی وہ حکم نہیں بدل سکتا

اس امر کی اہمیت کا انداز اس بات سے کیجئے کہ اللہ کریم نے جب بھی اپنا کوئی نمائندہ رسُول بنا کر بھیجا، اُس نے اپنی قوم کے سامنے اس حقیقت کا واضح الفاظ میں بیان کیا کہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا، وہی کہتا ہوں جس کا حکم وحی کے ذریعے مجھے ملتا ہے۔ اللہ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو حکم دیا کہ:

"اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ" (۶:۱۰۶)

یعنی اے نبی! اُس وحی کی پیروی کئے جاؤ جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے کیونکہ اس ایک کے سوا کوئی الٰہ یا مقتدرِ اعلیٰ نہیں اور مشرکوں سے اعراض کیجئے ۔

پھر جو لوگ اللہ کے قانون کو اپنے مفادات کے خلاف پاتے ہیں اُن کے مطالبہ کا ذکر کیا کہ:

"اِئْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ" (۱۰:۱۵)

یعنی کہتے ہیں کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لائیے یا اس میں کچھ تبدیلی یا ترمیم کر دیجئے ۔

اگر جمہوریت کی بات ہوتی تو واقعی اس مطالبے پر غور کیا جا سکتا تھا اور اس کے حق میں اکثریت کی تائید حاصل کرنے کی تدبیریں کی جا سکتی تھیں مگر وہ جو صرف اللہ کا قانون نافذ کرنے کے لئے آیا تھا اس سے کہلوایا گیا:

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى

اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۔" (۱۰ : ۱۵)
یعنی اے میرے نبی ! ان سے کہہ دو کہ میرا یہ کام نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس کتاب میں کوئی تغیر و تبدل کروں میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے ۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے ۔

اللہ تعالےٰ کا آخری نبی ﷺ اپنے خصوصی اختیارات استعمال کر کے اپنے مالک کے احکام میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہیں کر سکتا کیونکہ ایسا کرنا مالک کی صریح نافرمانی ہے ۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ منتخب حکومت کا سربراہ نہیں ۔ یہ تو صرف جمہوریت کی برکات کا کرشمہ ہے کہ منتخب حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اللہ کے احکام کو سرِعام سینہ تان کے غیر انسانی اور ظالمانہ قرار دے دے اور اس کے جلسے میں ایک اور منتخب حکومت کے سربراہ سے یہ سند حاصل کرے کہ " یہ کل بھی ہماری تھی ۔ آج بھی ہماری ہے " اور لطف یہ کہ اللہ کے احکام کے ساتھ یہ سلوک کرنے کے باوجود مسلمان بھی رہے اور اسلامی حکومت کی سربراہی کا حق بھی بدستور قائم رہے ۔ کیونکہ اس کی اتالیق اور پشت پناہ بی بی جمہوریت ہے اور اسے اس بات پر فخر ہے کہ ؎

دلیری سکھاتے ہیں مجھ کو یہ کہہ کر
جہنم سے ڈرنا بڑی بزدلی ہے

(۵) ـــــــ جمہوریت کی پانچویں خصوصیت " اپوزیشن " ہے ۔ ماہرین سیاسیات کا کہنا ہے کہ اپوزیشن کے بغیر نہ سجتی ہے ۔ نہ جچتی ہے ۔ نہ پنپ سکتی ہے ۔ اپوزیشن دراصل جمہوریت کی معراج ہے ۔ اپوزیشن کے معنی اور مفہوم ضد ۔ اُلٹ ۔ مخالفت اور دشمنی ہے ۔

ایک مستند انگریزی لغت میں اپوزیشن کے معنی یہ لکھے ہیں :

1- Planniq Opposite.

2- Contrast.

3- Antagonism.

4- Any Party Opposite To Some Proposal.

5- Chief Parliamentary Party Opposed To That In Office.

۵- مخالف جماعت

اپوزیشن کے وجود میں آنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب عوام نمائندے منتخب کر کے اسمبلی میں بھیجتے ہیں تو وہاں افراد کی جگہ پارٹیوں کے درمیان مقابلہ شروع ہوتا ہے ۔ ممبروں کی اکثریت جس پارٹی کے ساتھ ہو وہ اقتدار سنبھال لیتی ہے جو پارٹی اکثریت کی تائید حاصل نہ کر سکے ۔ اس کا نام اپوزیشن ہوتا ہے ۔ اپوزیشن کو اسم بامسمیٰ ہونا چاہیئے ۔ چنانچہ اپوزیشن اپنا مقصدِ تخلیق پورا کرنے اور اپنے نام کی لاج رکھنے کے لئے میدان میں آجاتی ہے اور حکومتی پارٹی کی مخالفت کرنا اس کا فرضِ منصبی ہوتا ہے ۔ یہ مخالفت لازماً دشمنی کی صورت اختیار کر لیتی ہے ۔ کیونکہ اس کی اٹھان ہی نفرت کے جذبہ سے ہوتی ہے ۔

حکومتی پارٹی کے سامنے کرنے کے دو کام ہوتے ہیں ۔ اول یہ کہ اپنے اقتدار کو اپوزیشن کے حملوں سے بچانے کی ہر تدبیر اختیار کرنا ہر وقت پیشِ نظر ہے ۔ دوسرا یہ کہ قوم کی بہتری کے لئے کوئی پلاننگ کرے ۔ مگر ان دونوں میں اوّلیت اور اہمیت پہلے کام کی ہوتی ہے ۔ دوسرا کام محض ضمنی حیثیت رکھتا ہے ۔ اگر پہلے کام سے فرصت کا کوئی لمحہ میسر آجائے تو دوسرے کی طرف بھی التفات کر لیا جائے ۔ جیسا کہ اپنے ہاں بی بی جمہوریت کے لچھن نظر آتے ہیں ۔ ایک سال ہونے کو آیا ۔ اب تک صرف پہلا کام ہی ہو رہا ہے ۔ حکومتی پارٹی ہمہ تن اپنے اقتدار کے بچاؤ میں مصروف ہے اور اپوزیشن اسے چاروں شانے چت گرانے میں کوشاں ہے ۔ اس مقصد کے حصول کے لئے کسی طرف سے کوئی شریفانہ اقدام نہیں ہو رہا بلکہ دھن ، دھونس اور دھاندلی تین حربے استعمال ہو رہے ہیں ۔ اور ملک میں امن غارت ، معیشت تباہ ، لاقانونیت عروج پر ہے ۔ جمہوریت زندہ باد !

جمہوریت میں نفرت ، مخالفت اور دشمنی کی ابتداء تو انتخابات کا اعلان ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے ۔ سچ کہا اکبر نے ؎

عزیز لڑتے ہیں آپس میں یہ تم کیا ہے
خدا کی مار سے دونوں کی مار کم کیا ہے

مگر یہ دشمنی درجۂ کمال تک اس وقت پہنچتی ہے جب اپوزیشن وجود میں آتی ہے مختصر یہ کہ جمہوریت دراصل ایک کنبہ کے افراد میں ، محلہ میں ، گاؤں میں ، شہروں میں ، جماعتوں میں مستقل دشمنی کا بیج بونے اور اس کی آبیاری کرنے کا شاندار ذریعہ ہے ۔

اسلام کی تعلیم کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ یہ صلح و آشتی ، اخوت اور بھائی چارہ پیدا کرنے والا دین اور ضابطۂ حیات ہے ۔ چنانچہ اللہ کریم نے اس نعمت کا بطور خاص ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

" وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا " (۳ : ۱۰۳)

یعنی اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے ۔ اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے ۔

معلوم ہوا کہ اسلام اور جمہوریت ایک دوسرے کی ضد ہیں ۔ کیونکہ اسلام تو دشمنیاں مٹانے آیا اور اُس نے واقعی دشمنیاں مٹانے کا ریکارڈ قائم کر دیا ۔ اور بی جمہوریت بھائی کو بھائی سے لڑانے کا پروگرام لے کر تشریف لائی ہے ۔

اسلام نے کسی سے دشمنی کرنے کا حکم نہیں دیا بجز ایک ذاتِ شریف کے ، اور وہ ہے شیطان ۔ چنانچہ بتایا کہ :

" اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا " (۳۵ : ۶)

یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن سمجھو اور اس کے ساتھ دشمنی

سلوک کرو، جو دشمن کے ساتھ کیا جاتا ہے۔
اس کے سوا اسلام نے کسی کے ساتھ دشمنی رکھنے کی اجازت نہیں دی، ہاں! یہ ضرور کیا کہ دشمنوں کی نشاندہی کر دی اور ان سے محتاط رکھنے کی تلقین کی۔ یہ بھی بتایا کہ دشمن کون ہیں؟ اللہ کے دشمن، رسول ﷺ کے دشمن، مسلمانوں کے دشمن۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (۶۰:۱)

یعنی اے اہل ایمان! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔ تم (ایسے ہوئے ہو کہ) ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو، حالانکہ وہ اس کتاب کا انکار کر چکے ہیں جو حق لے کر تمہارے پاس آئی ہے۔

گویا یہ ہدایت فرمائی کہ جو لوگ اللہ کی آخری کتاب، قرآن کا انکار کر چکے ہیں، ایسے لوگ اللہ کے دشمن ہیں۔ تمہارے بھی دشمن ہیں ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا، عداوت اور دشمنی کرنے کا حکم پھر بھی نہیں دیا۔ قرآن کے انکار کی کئی صورتیں ہیں مثلاً یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ قرآن وہ نہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا یہ جعلی ہے کیونکہ وہ تو سترہ ہزار آیت کا تھا اور اس میں تو چھ ہزار سے کچھ زائد آیتیں ہیں۔ پھر یہ دوستی نہ کرنا اور دشمنی کرنا دو مختلف رویے ہیں۔ اور ایسے لوگوں سے دوستی نہ کرنے کی وجہ نبی کریم ﷺ نے بیان فرما دی کہ:

"اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ یُّخَالِلُ" (الحدیث)

یعنی انسان اپنے دوست کے طور طریقے اور دین اختیار کر لیتا ہے اس لئے تمہارا فرض ہے کہ کسی کو دوست بنانے سے پہلے خوب چھان بین کر لیا کرو۔

اسی اصول کے تحت قرآن کریم جا بجا کافروں، منافقوں، فاسقوں کے ساتھ دوستی کا رشتہ قائم کرنے سے منع فرماتا ہے۔ مگر کسی سے دشمنی کرنے کی تلقین کہیں نہیں فرمائی۔

اسلام نے اجتماعی زندگی میں باہمی تعاون کا سلیقہ سکھاتے ہوئے ایک جامع اصول بتایا کہ:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (۵:۲)

یعنی نیکی اور پرہیزگاری کے کام میں باہم تعاون کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں کسی کے ساتھ تعاون مت کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہو۔

یعنی عدم تعاون کا معیار اور محرک پارٹی نہیں بلکہ نیکی اور بدی ہے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ اپنے بھی اگر برائی اور ظلم کا ارتکاب کرنے لگیں تو ان کے ساتھ تعاون نہ کرو اور اگر غیر بھی نیکی کا کام کرنے لگیں تو ان کے ساتھ ضرور تعاون کرو۔

اس کے برعکس جمہوریت یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہر حال میں اپنی پارٹی کا ساتھ دو خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر اور مخالف پارٹی کی مخالفت کرو، خواہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو۔ ایسا نہیں کرو گے تو تم پر فلور کراسنگ کی فرد جرم لگ جائے گی۔

اس ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ جس جمہوریت پر ہم لٹو ہو رہے ہیں اور جس کے فراق میں ہمارے لئے جینا دوبھر ہو جاتا ہے اور جس کے لئے ہم قربانیاں دیتے ہوئے بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم نے جمہوریت کی خاطر کوڑے کھائے۔ جیل میں گئے۔ وطن چھوڑا، یہ جمہوریت ایک ایسی لعنت ہے کہ اس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں ڈھونڈے نہیں ملتی۔ اس کے اجزائے ترکیبی کا حال یہ ہے کہ:

۱۔ جمہوریت کا پہلا اصول، بالغ رائے دہندگی، قرآن کی تعلیمات کی مین ضد اور عقل کے اعتبار سے نری حماقت ہے۔

۲۔ اس کا دوسرا اصول، کہ حق وہ ہے جس کی تائید اکثریت کرے۔ قرآن کریم اور تاریخ کے اعتبار سے شرافت اور انسانیت کے منافی ہے۔

۳۔ اس کا تیسرا اصول، کہ اقتدار اعلیٰ دراصل عوام ہیں، صریح شرک اور کھلا کفر ہے۔

۴۔ اس کا چوتھا اصول، کہ اخلاقی اقدار مستقل نہیں ہوتیں، بداخلاقی کی انتہا اور نری حیوانیت ہے اور انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔

۵۔ اس کا پانچواں اصول، کہ جمہوریت کے لئے اپوزیشن لازمی ہے۔ انسان کو اسلام کے ٹھیک مخالف کیمپ میں لا کھڑا کرتا ہے۔

اسلام دشمنی مٹانا سکھاتا ہے اور جمہوریت دشمنی پیدا کرنے اور پالنے کا فن سکھاتی ہے۔ اسلام انسانیت سکھاتا ہے اور جمہوریت درندگی کی تعلیم دیتی ہے۔

عوام کے منتخب نمائندے اسمبلی ہال میں بیٹھ کر گالی گلوچ کرتے ہیں ایک دوسرے پر کرسیوں کے فائر کرتے ہیں۔ کمزور ممبر کو اٹھا کر اسمبلی ہال سے باہر پھینک دیتے ہیں۔ اور اسمبلی ہال کا منظر یوں لگتا ہے، جیسے لکھنؤ کی بھٹیاریاں جمع ہیں۔

لہٰذا یہ کہنے میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ یہ جمہوریت، نری حماقت، پرلے درجے کی جہالت، انتہائی درجے کی حیوانیت اور درندگی اور اسلام دشمنی کی منظم تحریک ہے اس کے متعلق حال ہی میں جو کہا گیا ہے، بالکل درست ہے کہ:

"دورِ حاضر میں سب سے زیادہ مہمل لفظ جمہوریت ہے۔"

(Democracy in a world of tension – Unesco 1947)

ترجمان حقیقت نے بھی بالکل درست کہا کہ ؎

مجھ سے کچھ پنہاں نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

حافظ عبدالرزاق، چکوال۔

★ جن حضرات کا سالانہ چندہ اب تک نہیں پہنچا انکو اسی ماہ سے "المرشد" کی ترسیل بند کر دی گئی ہے۔
★ "المرشد" ہر ماہ کی ۵ تاریخ کو روانہ کیا جاتا ہے۔

اسلام میں

جمہوریت کا مسئلہ

صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی

۷۰ء کے ابتدائی برسوں میں ایک اصطلاح پر بڑی بحث اور دنگا کل کل ہوئی تھی کہ "اسلامی سوشلزم" نہایت بھونڈی اور لغو اصطلاح ہے۔ اس اصطلاح کے ناقدین کی رائے تھی کہ اسلام بذات خود ایک مکمل ضابطہ حیات اور کامل دین ہے جو اپنے ساتھ کسی پیوند کاری کو برداشت نہیں کر سکتا اور اس کے ساتھ کسی دوسرے "ازم" یا "حوالے" کا تذکرہ بے معنی ہے اور بعض اوقات تو مبتذل زبان استعمال کی گئی کہ آج "اسلامی سوشلزم" ہے تو کل کو "اسلامی شراب" اور "اسلامی جواء" کی اصطلاحیں چل نکلیں گی لیکن "تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا" کے مصداق ایسے ترکی جواب دینے والے مذہبی رہنما اور دائیں بازو کے دانشور آج بے تکلف "اسلامی جمہوریت" کی اصطلاح لکھتے، بولتے اور استعمال کرتے نظر آرہے ہیں اور اب اس جوڑ "ویلڈنگ" اور پیوند کاری میں انہیں کوئی قباحت نظر نہیں آتی بلکہ شد و مد کے ساتھ اس اصطلاح کو "اسلامی نظام" یا "اسلامی انقلاب" کا مترادف المعنی قرار دینے کی سعی (اور وہ بھی نامشکور) میں مصروف ہیں۔ ع یہ انقلابات ہیں زمانے کے

اسلامی جمہوریت کی اصطلاح کے جواز میں کہا جاتا ہے کہ اسلامی حکومت کا مزاج مشورے کا ہے اور مشورہ لوگوں سے کیا جاتا ہے اور لوگوں کو ہی "جمہور" کہا جاتا ہے اور اسی سے لفظ "جمہوریت" بنتا ہے تو اس اصطلاح میں آخر کیا قباحت ہے؟ اگر یہ صغریٰ کبریٰ اور منطق درست مان لی جائے تو پھر "سوشلزم" کا معنی بھی تو "اشتراکیت" ہے اور اسلامی حکومت باہمی اشتراک و تعاون سے قائم ہوتی اور چلتی ہے وہاں فرد واحد کلی اختیارات کا حامل نہیں ہوتا اور نہ ہی اسلام میں آمریت اور فردیت کی گنجائش ہے سو اس اعتبار سے "اسلامی سوشلزم" کی اصطلاح بھی درست قرار پاتی ہے۔

ہمارے خیال میں یہ دونوں مفروضے لغو اور بے سروپا ہیں اور یہ منطق اس قابل ہے کہ اسے اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے، بلاشبہ اسلامی حکومت میں مشورہ اور باہمی اشتراک و تعاون کو بنیادی پتھر کی حیثیت حاصل ہے لیکن اس کی بنیاد پر مشورہ کو "جمہوریت" اور اشتراک و تعاون کو

"اشتراکیت" سمجھ کر انہیں اسلام کے ساتھ نتھی کر دینا یکسر غلط سوچ ہے۔ جمہوریت اور اشتراکیت کی کوئی لغوی بحث نہیں کہ اس کے مصدر اور مشتق پر کلام کیا جائے بلکہ یہ دونوں اپنے اپنے مزاج کے دو کلام ہیں مستقل اور منفصل! جن کے اپنے اپنے مقتضیات اور تضمنات ہیں ان سے الگ ہو کر گفتگو کرنا محض منطقی مغالطہ ہے جس کا مقصد خود فریبی کے ساتھ ساتھ خدا فریبی بھی ہے' جمہوریت ایک طرز حکومت ہے اور سوشلزم (اشتراکیت) بھی ایک طرز معیشت و معاشرت' جمہوریت میں انسان کو "سرچشمہ قانون" اور اشتراکیت میں انسان کو "سرچشمہ رزق" سمجھا اور مانا جاتا ہے دوسرے لفظوں میں "انسان" کو "خدا" کے منصب پر فائز کرتا ہے اور بدقسمتی سے اس امر کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا چنانچہ بحث کو "اصول" سے شروع کرنے کے بجائے "فروع" سے اس کا آغاز کیا جاتا ہے جس سے ترتیب معکوس ہوتی ہے اور نتائج بھی معکوس ہی نکلتے ہیں' اگر ہر اصطلاح اور لفظ کو لغت کے آئینے میں رکھ کر دیکھنے کی عادت اپنائی جائے تو پورے کا پورا علم اصطلاح بیکار ہو کر رہ جاتا ہے اور اس طرح ہر لفظ اور ہر اصطلاح اپنا حسن و قبح اور شدت و تاثر کھو بیٹھیں گے' مثلاً شرک' کفر' ایمان' ظلم' عدل' عمر' دین' قیامت' قانون' منشور' وغیرہ جب معنی و مفہوم کے ساتھ ازل سے آج تک رائج ہیں ان کے سمجھنے میں کسی عامی و عالم کو کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی اور ان کے حسن و قبح کے نئے معیار وضع کرنے کی کوئی ضرورت کسی کو نہیں پڑتی یعنی ہر شخص "شرک" کا لفظ بولتے اور سنتے ہی سمجھ لے گا کہ اس اصطلاح کی فلاسفی کیا ہے؟ اس کی خصوصیت کیا ہے؟ اس کی قباحت کیا ہے؟ اس طرح دوسرے بیسیوں الفاظ و اصطلاحات اپنے معنی و مفہوم اور اطلاق و انطباق کے اعتبار سے واضح اور غیر مبہم ہیں بالفرض اگر ان الفاظ و اصطلاحات کو محض لغت کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی جائے اور ان میں نئے مفاہیم داخل کرنے کی جسارت کی جائے تو نہ صرف اہل علم و خرد سر پیٹ لیں گے بلکہ خود علم و خرد بھی منہ چھپائے نظر آئیں گے کہ اگر ہمارا ایسا حشر ہونا تھا تو کاش ہم صفحہ قرطاس پر شہود پذیر ہونے کی جسارت و زحمت ہی نہ کرتے' ظاہر ہے صدیوں سے ہر اصطلاح کا ایک پس منظر چلا آ رہا ہے اور وہ پس منظر ہی اس اصطلاح کے مفہوم و مصداق کو واضح کرتا ہے سیاق و سباق کو کاٹ پھینکنے سے لفظ یا اصطلاح ویسے ہی ٹنڈورے ہو جاتے ہیں اور ان کا تشخص ختم ہو کر رہ جاتا ہے' اگر یہ طریق کار اپنا لیا جائے تو نہ لفظ "شرک" میں کوئی قبح رہ جاتا ہے اور نہ لفظ "دین" میں کوئی حسن اور معنویت! شرک کا معنی مل جل کر رہنا بن سکتا ہے اور یہ بری بات نہیں اور دین کا معنی "راستہ" ہے اور اس میں کوئی معنویت اور مقصدیت نہیں رہتی۔ حالانکہ یہ اسلام اور مذہب کی دو بنیادی اصطلاحیں ہیں جن کے باقاعدہ لوازم اور اثرات ہیں' چنانچہ ایسی اصطلاحات کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت چونکہ "سوشلزم" یا "اشتراکیت" ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہے اس لئے ہم "اسلامی جمہوریت" کے حوالے سے بات کریں گے۔

سبھی باخبر افراد جانتے ہیں کہ جمہوریت یا ڈیمو کریسی ایک ایسی اصطلاح ہے جو صدیوں پہلے یونان میں رائج ہوئی اور پہلی شہری یا جمہوری حکومت نے وہاں سے اپنے سفر کا آغاز کیا اور یہ بات انتہائی دلچسپی کا موجب ہے کہ یونان میں "ڈیمو

> یہ مسلّم حقیقت ہے کہ جو شخص کسی فن میں مہارت نہیں رکھتا اسے اس فن اور اہلِ فن پر تنقید کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ فلاسفر جنہیں علم و تحقیق پر بہت ناز ہے جب تصوف پر بحث کرتے ہوئے مسئلہ کشف پر آتے ہیں تو ان کے لئے اس عاجزانہ اعتراف کے بغیر کوئی راستہ نہیں ملتا کہ ھٰذا اطوارٌ وراء طورِ العقل لایدرک الّا اصحاب قوۃ القدسیہ۔

کریسی" (جمہوریت) کا آغاز اور اس کا نشوونما "شرک" کے تصور سے ہوا۔ مسئلہ یہ تھا کہ اہل یونان کو بادشاہی جبرواستبداد سے کس طرح نجات دلائی جائے مفکروں اور ... ں کو جو ترکیب سوجھی وہ نہایت دلچسپ تھی انہوں نے مذہبی حوالے سے اس فکر کو عام کیا کہ زندگی' موت' بارش' قحط' صحت' مرض وغیرہ کے الگ الگ خدا ہیں' اور ایک خدا دوسرے کے معاملے میں دخل نہیں دیتا یہی وجہ ہے کہ ایک ہی فرد اور خاندان بیک وقت کئی کیفیات سے دوچار ہے مثلاً دولت ہے تو صحت نہیں ایک ہی گھر میں جنازہ بھی پڑا ہے اور وہاں شہنائی بھی گونجتی ہے اور اس طرح ہر خدا اپنے اپنے اختیارات استعمال کر رہا ہے اور اگر سب اختیارات ایک خدا کے پاس ہوتے تو دنیا میں متضاد کیفیات رونما نہ ہوتیں' لوگ جب آہستہ آہستہ اس منطق کے قائل ہو گئے اور دل کی گہرائیوں سے حامی بن گئے تو اب ان ارباب فکر و فلسفہ کو اپنی بات آگے بڑھانے کا موقع مل گیا انہوں نے اگلے مرحلے میں عوام کو یہ بات سمجھائی کہ جب خود خدا تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں نہیں لیتا اور نظام کائنات چلانے کیلئے دوسرے خداؤں کو اختیارات تفویض کر رکھے ہیں تو یونان کا بادشاہ خدا سے زیادہ طاقتور اور بڑا تو نہیں کہ اکیلا ہی تمام اختیارات کا سرچشمہ بنا ہوا ہے' اس طرح لوگوں نے بادشاہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ معاشرے میں اختیارات کی تقسیم ہونی چاہئے' یہ ہے یونان کے "جمہوریت آشنا" ہونے کا تاریخی اور فلسفیانہ پس منظر! صدیوں کے عمل کے بعد "ڈیموکریسی" باقاعدہ ایک طرز حکومت کہلائی جس میں جماعتوں کا قیام 'اختیارات کی تقسیم' ووٹنگ' حزب اقتدار اور حزب اختلاف کا وجود' اور پھر جمہوریت کی مختلف قسمیں اور شکلیں پارلیمانی جمہوریت صدارتی جمہوریت کنٹرولڈ ڈیموکریسی ڈائریکٹ ڈیموکریسی وغیرہ وجود میں آئیں' اب ہم اصل مسئلہ کو لیتے ہیں "اسلام میں جمہوریت یا اسلامی جمہوریت" جمہوریت کیا ہے؟ اس کی مقبول عام تعریف کیا ہے؟ اور اس کی نفسیات کیا ہے؟ یہ سب کچھ اہل فکر و نظر پر واضح ہے۔

کسی لمبی چوڑی بحث و تمحیص کے بغیر ہر ادنیٰ شخص پہلی ہی نظر میں ان دونوں تعریفوں کے درمیان جوہری فرق اور اختلاف کو دیکھ لیتا ہے اور اسے یہ فیصلہ کرنے میں دقت بھر محسوس نہیں ہوتا کہ "اسلام" اور "جمہوریت" دونوں نظاموں میں زبردست تضاد اور تخالف ہے جسے محض الفاظ کی بازی گری سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔

اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ جمہوریت عوام کی حکومت کا نام ہے جبکہ اسلام اللہ تعالیٰ کی حکومت کا نام ہے۔ جمہوریت میں حکومت عوام کے ذریعے بنتی ہے اور چلتی ہے جبکہ اسلام میں حکومت قرآن و سنت کی بنیاد پر قائم ہوتی اور چلتی ہے' البتہ دونوں نظام ہوتے عوام کیلئے ہیں اگر اسی قدر مشترک کو اسلام کے ساتھ جمہوریت کی پیوند کاری کا جواز بنا لیا جائے تو پھر دنیا میں رائج ہر نظام کیلئے کوئی نہ کوئی قدر مشترک ڈھونڈھ لینا کوئی مشکل امر نہیں' بادشاہت' آمریت' اشتراکیت' مارشل لاء' ان میں سے ایک آدھ قدر مشترک تلاش کرنا کوئی بڑی بات نہیں' اور "یار لوگوں" نے پچھلے وقتوں میں ایسی اقدار مشترک نکالی بھی تھیں اور ایک بڑے طبقے نے انہیں بڑا اچھالا تھا

عوام کی رائے کا احترام کاروبار حکومت میں عوام کی منشا اور رضامندی کا دخل' داخلی و خارجی معاملات میں عوام کو اعتماد میں لے کر چلنا فرد واحد کے مقابلہ میں اجماع امت کا پاس و لحاظ اور اس طرح کے دوسرے امور یقیناً پسندیدہ اور مطلوب ہیں مگر یہ سب کچھ اسلامی نظام کا خاصہ ہیں ان کیلئے الگ سے جمہوریت کو عنوان بنانا قطعاً غیر ضروری ہے اور نہ ہی ان باتوں میں اسلام اور جمہوریت میں کوئی تفاوت اور تفریق ہے' کسی بھی نظام میں فرق و اختلاف اس کے چند ایک جوہری اور اصولی نکات پر ہوتا ہے اور وہی نکات اس سارے نظام کا خلاصہ ہوتے ہیں۔

اسلام میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے
جبکہ جمہوریت میں حاکمیت عوام کا اعلان ہوتا ہے
جمہوریت میں فیصلے اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں
جبکہ اسلام میں فیصلے حق و باطل اور خیر و شر کی بنیاد پر ہوتے ہیں

اسلام میں بعض احکام و امور اٹل اور قطعی ہیں
جبکہ جمہوریت میں ہر قانون اور ہر امر بحث طلب ہے اور کثرت رائے کے ذریعے اس کے پیمانے بدلے جاسکتے ہیں
جمہوریت میں "قطعی سند" پارلیمنٹ ہوتی ہے

جبکہ اسلام میں "فائنل اتھارٹی" اللہ تعالیٰ کی ذات ہے
جمہوری نظام کا آغاز "زیرو پوائنٹ" سے ہوتا ہے اس سے
پہلے کوئی بات حتمی اور طے شدہ نہیں۔
جبکہ اسلام کا نظام حکومت کچھ طے شدہ اور قطعی اصولوں
اعتقادات کے دائرے میں رہ کر کام کرتا ہے'
اسلام میں حلت و حرمت اکثریت و اقلیت کی پابند نہیں
جبکہ جمہوریت میں اکثریت و اقلیت کی بنیاد پر جواز اور عدم
جواز کے قوانین بنتے ہیں۔

یہ تو ہیں وہ اختلافات جو مزاجاً اسلام اور جمہوریت کو الگ الگ کر دیتے ہیں تفصیل میں جائیں تو ہر قدم ایک دوسرے کی مخالف سمت پڑتا ہے۔ پارلیمنٹ کی تشکیل باقاعدہ حزب اقتدار و حزب اختلاف کا قیام' امیدواری سسٹم' ووٹروں کی اہلیت و صلاحیت' امیدواروں کا معیار نشستوں کی تقسیم' بل پیش کرنے کا طریقہ' اس کی منظوری یا عدم منظوری کا معاملہ' اعتماد کا ووٹ اور عدم اعتماد کی تحریک' حکمران کی مدت کار' اس کی معزولی کی شرائط وغیرہ ہم یہ بے شمار چیزیں کم از کم تیسری دنیا میں اپنے "کرشمے" دکھا رہی ہیں اور عوام (پنجابی زبان میں) گویا "تنگ تنگ" آئے ہوئے ہیں۔

صاف بات ہے اگر جمہوریت سے مراد برطانیہ' فرانس اور امریکہ کی جمہوریت ہے جہاں پارلیمنٹ کو "سپریم اتھارٹی" کا درجہ حاصل ہے اور قانون سازی میں وہ کسی قیمتی شرط یا اضافی پابندی سے بالکل بالاتر ہے وہ چاہے تو زنا' ہم جنس پرستی' شراب' جواء' ریس' سود' نشہ' سمگلنگ' منشیات کو جائز قرار دے دے اور اس پر کوئی چیک نہیں تو ایسی جمہوریت کے بارے میں کسی ریفرنڈم کے بجائے ہر مسلمان کو اپنے ضمیر سے پوچھ لینا چاہئے کہ وہ کیا فتویٰ دیتا ہے؟ اور اگر جمہوریت کا مطلب ہے قرآن و سنت کے احکام کی روشنی میں روزمرہ کی قانون سازی' اجماع امت کے ذریعے تشکیل حکومت' قرآن و سنت کے خلاف کسی قانون کے پاس ہونے پر پابندی' اور پھر دوسرے معاملات کو باہمی مشورے سے چلانا' ووٹوں کے ذریعے حکومت کا عزل و نصب اور دیگر امور! تو پھر سیدھے سبھاؤ اسلام ہی کو ایک جامع اور مکمل نظام کے طور پر تسلیم کر کے رائج و نافذ کیا جائے خواہ مخواہ ساتھ میں جمہوریت کی پخ لگنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سب کچھ اسلام کے اندر موجود ہے۔

ہمیں "جمہوریت" کے لفظ سے چڑ نہیں اس کے مزاج سے اختلاف ہے کیونکہ اس میں بندوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا اس میں اہلیت پر اکثریت کو ترجیح دی جاتی ہے' یہاں دماغ نہیں سر دیکھے جاتے ہیں' اس کے ہاں حلال و حرام کو انسانوں کی خواہشات کے تابع کر دیا جاتا ہے' اس کے کوئی مستقل پیمانے اور اقدار نہیں اس کا ہر پیمانہ ایک چھناکے سے ٹوٹتا اور اس کی ہر قدر دو ہاتھ کھڑے ہو جانے سے بنتی رہتی ہے' اسلامی نظام حکومت میں اصول و اقدار کا تو یہ عالم ہے کہ نبی وقت بھی ان کی پابندی کا مکلف ہے' جو ازلی ہیں اور ابدی ہیں اور پوری نوع انسانی مل کر کے بھی ان میں ترمیم و تنسیخ کی مجاز نہیں۔

اسلام فطری تبدیلی کا قائل ہے جمہوریت کے ذریعے مصنوعی تبدیلی آتی ہے' جس سے افراد اور چہرے تو چند سال بعد بدلتے رہتے ہیں لیکن سوسائٹی کے مزاج' طور طریق' ذہنیت اور سیرت میں کوئی بڑا انقلاب نہیں آتا اور سب سے بڑی بات یہ کہ جمہوریت کا کام طرز حکومت سے تعلق رکھتا ہے انسان کے اخلاق و کردار کی درستی و نادرستی سے اس کو کوئی سروکار نہیں' جبکہ اسلام فردی اصلاح کو اتنی ہی اہمیت دیتا ہے جتنا اجتماعی امور و معاملات کو وہ درست رکھتا ہے۔

جمہوریت کا زیادہ زور "رائے" پر رہتا ہے کہ کتنی آراء ملی ہیں حق میں یا مخالفت میں! اور اسلام "اہل الرائے" کو دیکھتا ہے اسلام میں اندھے اور بینا' رات اور دن' صحیح اور غلط' اجالے اور اندھیرے' علم اور جہل' نیک اور بد کے درمیان واضح تمیز کی جاتی ہے جبکہ جمہوریت میں کسی جامعہ کے استاد اور ابجد نا آشنا میں کوئی فرق و امتیاز نہیں دونوں کی رائے اور تجزیہ اور خوب و زشت کی پہچان ایک برابر ہے اور اس کے مظاہر بالخصوص تیسری دنیا میں عام ہیں۔

ہمارے خیال میں "فیوڈل لارڈز" نے کم از کم انقلاب فرانس کے بعد جب اقتدار کی زمین اپنے پاؤں کے نیچے سے سرکتی دیکھی اور احیائے علوم کی تحریک کو آگے بڑھتے دیکھا تو اپنے وسائل اور زر خرید دانشوروں کے ذریعے اس فلسفے کو عام

کرنے کی کوشش کی (جسے ہم مغربی جمہوریت کا نام دیتے ہیں) یعنی ذہن کے مقابلے میں دھن' اہلیت کے مقابلے میں دولت اور بصیرت کے مقابلے میں اکثریت کو رائج کر کے اقتدار کو اپنے ہاتھوں سے نہ نکلنے دیا جائے چنانچہ جو شخص یورپ کا بڑا جاگیردار تھا وہ نئی سوسائٹی میں بڑا صنعتکار بن کر ابھرا اور پورے یورپ میں صنعتوں کا جال بچھ گیا اور اس "جال" کے ذریعے امراء عوام کو "جل" دینے میں کامیاب ہو گئے' اور خصوصاً مراعات کے ساتھ جمہوریت کو فروغ دیا جانے لگا'۔

آج جسے تیسری دنیا کہا جاتا ہے وہ قریب قریب پوری کی پوری فرانس اور انگلستان کی استعماری ہوس کا نشانہ بنی' دیگر اثرات بد کے ساتھ ساتھ جمہوریت کے جراثیم بھی ان ملکوں میں منتقل ہو گئے اور اس "مرصع اور مسجع" لفظ نے انقلاب کے ذریعے تبدیلی کو لوگوں کیلئے اجنبی بنا دیا اور ہر شخص بغیر سوچے سمجھے "جمہوریت جمہوریت" الاپنے لگا اور یہ گیت آج بھی اونچے سروں کے ساتھ برابر گایا جا رہا ہے' حالانکہ ہر حقیقت پسند کو معلوم ہے کہ جمہوریت کی ملکہ محترمہ برطانیہ ابھی تک اپنے ذہنوں سے "بادشاہ اور ملکہ کا تقدس" ختم نہیں کر سکی' اور ایک پورا خاندان مفت میں عیش کر رہا ہے اور کروڑوں پونڈ کے اعزازیے لے رہے ہیں آخر یہ کہاں کی جمہوریت ہے؟

جمہوریت کے بانئ اعظم امریکہ کو جمہوریت پسندی ویت نام "کیوبا" پانامہ اور دوسرے ممالک پر ننگی جارحیت سے نہیں روک سکی دوسروں کیلئے جمہوریت اور خود "استعمار اعظم" کا تاج سر پر سجا رکھا ہے'

جمہوریت کی دیوی بھارت ابھی ایک "امیر خاندان" کے چنگل سے پوری طرح آزاد نہیں ہو سکی' جمہوریت کے ذریعے دراصل عوام اپنے حقوق آئینی اور قانونی طور پر چند گھرانوں کے ہاتھ رہن رکھ دیتے ہیں' اور یہی غالباً جمہوریت کا باجا بجانے والوں کا اصل مقصد ہے جس میں وہ پوری طرح کامیاب ہیں۔

وہ حضرات بلاشبہ ہمدردی کے مستحق ہیں جو "اسلامی جمہوریت" کے حق میں بات کرتے ہیں اور اس اصطلاح کے خلاف بات شروع ہونے پر چونک اٹھتے ہیں کہ کہیں جمہوریت کو اسلام سے الگ کرنے کے پیچھے آمریت کی حمایت کا فلسفہ تو کار فرما نہیں۔ ان کا یہ خدشہ یقیناً قابل لحاظ ہے کیونکہ مسلمانوں کی تاریخ میں "امارت" کے نام پر "آمریت" "خلافت" کے لبادے میں "ملوکیت" اور "شورائیت" کے شکل سے "فسطائیت" اکثر جھانکتی نظر آتی ہے مگر ہم اس سوچ کے اتنے ہی مخالف ہیں جتنا اسلام کے ساتھ جمہوریت کی پیوند کاری کے' ہمیں اعتراف ہے کہ جمہوریت مارشل لاء' آمریت' ارسٹوکریسی ان سب سے بدرجہا بہتر ہے لیکن اس جمہوریت سے کہیں بہتر وہ خالص اسلامی انقلاب ہے جو ہر لاحقے سابقے سے پاک ہے' اسلامی انقلاب یا نظام متقی قیادت کے ذریعے اہل الرائے کے مشورے سے عوام کو اعتماد میں لے کر ظلم و جبر کے خلاف برپا ہوتا اور گروہی جھمیلوں سے ہٹ کر خیر و شر کی بنیاد پر حق و باطل کے حوالے سے اتفاق و اختلاف کے مراحل طے کر کے نافذ ہوتا ہے' برسراقتدار انقلابی جماعت ہی بیک وقت حزب اقتدار اور حزب اختلاف کا کردار ادا کرتی نظر آتی ہے' تعاونوا علی البر و لا تعاونوا علی العدوان کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے کاروبار حکومت سرانجام دیتی ہے' ووٹوں کی پرچیوں سے صندوق بھرنے کی بجائے جس طرح سمندر اپنی موجوں کے ذریعے موتی کناروں پر اچھال دیتا ہے اسی طرح معاشرہ اپنے منتخب افراد کو خود ہی اوپر اٹھا کر انہیں زمام اقتدار تھما دیتا ہے'۔

اب ظاہر ہے کہ آج کے دن سے یہ سلسلہ شروع نہیں کیا جا سکتا کہ آج نہ تو برسراقتدار طبقے کی امانت مسلمہ ہے کہ اس کی وصیت یا ماحردگی آلائش سے پاک ہو اور نہ ہی عامۃ الناس میں وہ خدا ترسی اور آخرت کی جوابدہی کا احساس ہے کہ ان کے ووٹ حق و باطل کی کسوٹی بن جائیں البتہ کرنے کا کام یہی ہے کہ مسلمانوں کے ذہن مغرب کے مستعار اور درآمد طریقے آزمانے کے بجائے اسلام کے انقلابی پروگرام سے آشنا کئے جائیں اور وہ مرحلہ قریب سے قریب تر آ جائے جب عالم اسلام میں فطری انقلابی قیادت اسلام کو اس کے پورے تقاضوں کے ساتھ نافذ کرنے کی اہل بن سکے!

بشکریہ نوائے وقت

اِسلامی تصوّف

حضرت اللہ یار خان رح

اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جس قدر آسمانی کتابیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئیں اُن تمام کتب و صحائف کا خلاصہ مضمون، تورات، انجیل اور زبور میں آگیا تھا اور ان تینوں کا خلاصہ قرآن کریم میں آگیا ہے جو تمام سابقہ کتب و صحائف منزل من اللہ کا مہیمن ہے۔ اور پورے قرآن کے خلاصہ سورۂ بقرہ میں ہے اسی بناء پر علمائے اُمت کا یہ معمول رہا ہے کہ تفسیر بیضاوی سورۃ بقرہ تک سبقاً پڑھاتے چلے آئے ہیں کہ سورۃ بقرہ کو اگر کامل اُستاد پڑھانے والا ہو تو قرآن مجید کے جملہ مطالب کو حل کر دے گا۔

سورۂ بقرہ کا خلاصہ مفہوم سورۂ فاتحہ میں ہے اور سورۃ فاتحہ کا خلاصہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے، اور آیۂ مبارکہ بسم اللہ کا خلاصہ صرف لفظ "بسم" کی "با" میں آجاتا ہے چونکہ لفظ "با" تلبیس کے لئے ہے نحویوں کی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے خدا سے تعلق پکڑنا، خدا تعالیٰ سے جُڑ جانا، چنگل لگانا، خدا والا بن جانا، معلوم ہُوا کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور آسمانی کتب کے نزول کا اہم فالاہم مقصد یہی ہے کہ غیر اللہ سے انقطاع اور وصول الی الحق حاصل ہو، یعنی غیروں سے منقطع ہو کر خدا سے وابستہ ہو جاؤ۔

تمام محققین صوفیہ کا اتفاق ہے کہ تصوف و سلوک کے حصول کے لئے صرف دو قدموں کی ضرورت ہے۔

اول :- انقطاع عن الخلق

دوم :- وصول الی الحق

ہاں مُبتدی کے لئے یہ انقطاع مُشکل ہے مگر مبتدی کے لئے بھی چار باتیں ضروری ہیں جیساکہ سورۃ مزمل میں مذکور ہیں اور مُبتدی و منتہی دونوں کے لئے احکامات شامل ہیں فرمایا۔

اول:- یاایھا المزّمّل ۙ قم الّیل

دوم:- ورتّل القراٰن ترتیلاً ؕ

سوم:- واذکر اسم ربک

چہارم:- لآ الٰہ الاّ ھو فاتخذہ وکیلاً ؕ

اول :- میں رات کے تخلیہ کا بیان ہے یعنی اذکار کے تخلیہ ضروری ہے لفظ مُزمّل سے چادر لپیٹ لینے کی جانب اشارہ ہے اگر روشنی وغیرہ انتشار خیالات کا سبب ہو تو، چونکہ یکسوئی کے لئے آنکھوں کا بند کرنا ضروری ہے ہر چند کہ رات کو روشنی تو نہیں ہوتی تاہم خیالات کو اِدھر اُدھر بھٹکنے سے روکنے کے لئے اور یکسوئی پیدا کرنے کے لئے چادر کا لپیٹ لینا، آنکھوں کا بند کرنا ضروری ہے، کان آنکھ اور زبان وہ نالیاں ہیں جو گندے پانی یعنی خیالات فاسدہ اور پریشان باتوں کو صاف دودھ کے حوض یعنی دل میں جا داخل کرتی ہیں صوفی کامل اس دل کے حوض میں ذکر الٰہی کی مشین لگا کر اس حوض کی زمین سے صاف شفاف پانی نکالنا چاہتا ہے جو انوار و تجلیات ہیں جن کو صوفیہ کرامؒ مشاہدات کہتے ہیں۔ اسی کو کشف کہا جاتا ہے اور کشف و مشاہدہ ذکر الٰہی اور اعمال صالحہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہے یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے کہ کشف و الہام اور کرامات صالحہ، ذکر الٰہی کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں ذکر قلبی اعمال قلب میں سے ہے۔

اگر کوئی شخص کشف، الہام، کرامات کا انکار کرتا ہے تو وہ صرف ان کا ہی انکار نہیں کرتا بلکہ اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس پر اس نے سنگین حملہ کیا، گویا وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اُمت محمدیہ میں کوئی صالح، نیک، متقی، اعمال صالحہ والا آدمی ہی نہیں ہے (نعیاذ باللہ) سب بد اعمالوں کی بھیڑ ہے۔

دوم رات کو اُٹھ کر نفل تہجد کا پڑھنا جیسا کہ (2) اِلا قلیلا سے واضح ہے سوم ذکر اسم ذات یعنی اللہ اللہ چہارم نفی اثبات جیسا کہ لا الٰہ الا ھو سے واضح ہے ذکر لسانی ممد و معاون ہے ذکر قلبی کا، اور یہ وسیلہ اور ذریعہ ہے ذکر قلبی باطنی (روحانی) کا، ان مذکورہ اعمال کا عامل مُبتدی یعنی مُبتدی صوفی ہے۔

اور منتہی صوفی کا ذکر و تبتل الیہ تبتیلا ٥ واصبر علیٰ ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا ٥ میں ہے۔ چونکہ مبتدی کو اکثر صوفیہ کرامؒ ذکر لسانی ہی بتایا کرتے ہیں جیسا کہ سلسلہ چشتیہ کے حضراتؒ اور منتہی کا واصل باللہ کا ذکر آیت مذکورہ کے ان تین جملوں میں ہے۔ اس میں دو مزید حکم بیان فرمائے یعنی یہ کہ جو خدشہ دل میں اضطراب پیدا کرتا تھا کہ تبتل سے تو تمام کنبہ برادری سے کلی طور پر بائیکاٹ ہو جائے گا پھر انسانی گذر اوقات کس طرح ہوگی تلاشِ معاش، دُکھ بیماریاں حوادث اور مصائب بھی آتے ہیں تو اول خود جواب دیا۔ رب المشرق والمغرب ۔ زمین و آسمان میرے ہیں اور مخلوق میری ہے۔ فاتخذہ وکیلا ٥ کارساز صرف مجھے ہی سمجھو، یہ مذکورہ چیزیں میری مخلوق ہیں جب آپ ان سے تعلق ظاہری توڑ دیں گے تو میں خود تم کو سنبھال لوں گا انہی کو تمہارا خادم بنا دوں گا تم بس میرے ہو جاؤ۔

ھو تجدید قصد التقرب الی اللہ تعالیٰ بالطاعۃ عن نفع الدنیا۔

قرب الٰہی اور تقرب الی اللہ کو دنیا کے نفع و غرض سے بالکل پاک رکھنا۔

مگر صوفیہ محققین کے نزدیک تبتّل سے مراد تبتل روحانی و قلبی ہے نہ کہ جسمانی و بدنی، کن فی الظاھر جسمانیا وفی الباطن روحانیاً۔ ظاہر جسمانی بدنی ہو اور ظاہری تعلق مخلوق سے ہو، یال بچہ، زمین جائیداد یار دوست، دکان، مکان، تجارت وغیرہ سے یہ تعلق حفاظت کا ہو عبادت کا نہ ہو، عبادت کا تعلق صرف رب کریم سے ہو، اللہ والوں کو دنیا کی کوئی چیز ذکر الٰہی نماز اور عبادت سے مانع نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم رجال اللہ کی تعریف میں فرماتا ہے۔

رجال اللہ (مردان خدا) کو کوئی تجارت بیع شراء ذکر الٰہی سے قیام نماز سے اور زکوٰۃ دینے سے مانع نہیں یعنی جن کو دنیا خدا سے دُور کر دیتی ہے وہ مرد نہیں، مردان خدا پر دنیا کا جادو نہیں چلتا۔ آیت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ دنیا وہ چیز ہے جو خدا سے، ذکر خدا سے، قیام نماز و ادائے زکوٰۃ وغیرہ سے مانع ہو، روک دے، وہ دنیا ہے نہ مال وغیرہ، جو چیز ذکر خدا سے مانع ہو وہ دنیا ہے مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

چیست دنیا و لباس دنیوی
از خدا غافل شدن اے مولوی
چیست دنیا از خدا غافل شدن
نے لباس و نقرہ و فرزند و زن

دنیا کیا ہے ؟ خدا سے غافل ہونا، لباس، بیوی، بچہ مال و دولت دنیا نہیں اگر خدا سے غافل نہ کرے،

دوسرے حکم میں فرمایا کہ تمہیں رہنا تو لوگوں میں ہی ہے اس لئے خلوت اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ عوام الناس تو اہل اللہ کے سخت دشمن ہو جاتے ہیں، تجربہ شاہد ہے کہ ذکر خدا سے عموماً لوگ دشمن ہو ہی جاتے ہیں دنیا میں انبیاء علیہم السلام سے بھی اور اولیاء اللہ سے بھی یہی سلوک ہوا ہے تو فرمایا۔ واصبر علیٰ ما یقولون ان میں رہنا ہے تو ان کی ایذا پر صبر کریں۔

بیا ہمچناں زندگانی کنیم
جفا بینیم و مہربانی کنیم

آؤ اس طرح سے زندگی بسر کریں کہ مخلوق سے ایذاء اور ظلم دیکھیں مگر ان پر مہربانی کریں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المومن الذی یخالط الناس یصبر علیٰ اذا ھم خیر من الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علیٰ اذا ھم

فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ ہے کہ وہ مومن اچھا ہے جو لوگوں میں زندگی بسر کرتا ہے اور ان کے ایذا پر صبر کرتا ہے اس سے جو نہ اُن میں سکونت رکھنا چاہتا ہے اور نہ اُن کے ایذا پر صبر کرنا چاہتا ہے۔

آگے فرمایا اگر ان سے الگ رہ کر خلوت میں زندگی بسر کرنا چاہو تو " واھجرھم ھجراً جمیلاً " پھر اُن کو اچھے طریقے سے چھوڑ دو، بُرا بھلا کہنے کی ضرورت نہیں، خدا سے تعلق قائم کر کے مخلوق سے تعلق توڑ دو اچھے طریقے سے، یہ درجہ منتہی کا ہے اس میں درجہ تفویض کی طرف اشارہ ہے فاتخذہُ وکیلاً سے یہی ثابت ہوتا اور تبتل اور واھجرھم سے درجہ " افراد " کا ثابت ہوتا ہے قطب ترقی کر کے غوث بنتا ہے غوث ترقی کر کے فرد بنتا ہے فرد ترقی کر کے قطب وحدت بنتا ہے، یہ مراتب آیت کے ان ٹکڑوں سے ظاہر ہوتے ہیں اور یہی مرتبہ انتہائی بسم اللہ کی با سے ظاہر ہوتا ہے اور قرآن مجید کی اکثر آیات اس پر دال ہیں مگر سمجھ اپنی اپنی ہے، اسی سے منزل فنا و بقاء ثابت ہوتی ہے۔ جملہ مخلوق سے فانی ہوا اس سے کٹ گیا یعنی کو ختم کیا دینی خواہشات نفسانی کو رضائے باری پر قربان کر دیا یہ ہے منزل فنا فی اللہ کی اور جب اس سے جڑ گیا اس سے تعلق کلی قائم کر لیا تو یہ ہے منزل بقاء باللہ کی۔

قرآنِ کریم کی آیات سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ خلوت و تخلیہ کو اختیار کرنا جائز ہے مگر افضلیت اس میں ہے کہ آدمی لوگوں میں رہے اور ان کے خدمت دینی کرے اُن کے ایذاء پر صبر سے کام لیوے، نقل ہے کہ کوئی بادشاہ کسی ولی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں ترک تخت شاہی چاہتا ہوں کہ علیحدہ ہو کر خدا کو یاد کروں اور دنیا کے یہ جھنجھٹ چھوڑ دوں تو اس عارف باللہ ولی اللہ نے فرمایا کہ یہ ٹھیک نہیں بلکہ تخت شاہی پہ رہ کر کام کرو۔

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست
تو بر تخت سلطانی خویش باش
با اخلاق پاکیزہ درویش باش
بصدق ارادت میاں بستہ دار
ز طامات دعویٰ زباں بستہ دار
قدم باید اندر طریقت نہ دم
کہ اصلے ندارد دم بے قدم

تصوف اور فقیری سوائے خدمتِ خلق کے اور کچھ نہیں ہے فقیری صرف تسبیح پڑھنے، مصلیٰ اور گودڑی میں نہیں ہے۔ تم اپنے تختِ شاہی پر رہ کر اخلاقِ پاکیزہ رکھ کر درویش بنو۔ سچے ارادہ سے کمر بستہ ہو اور زبانی دعوؤں سے زبان کو بند رکھو کہ فقیری میں فقیر کو راسخ القدم ہونا ضروری ہے نہ کہ دم مارنا، بغیر راسخ القدم ہونے کے زبانی دعویٰ کرنا اصلیت نہیں رکھتا۔

رہا توکل اور ترکِ اسباب تین قسم کے ہوتے ہیں، اوّل

کا ترک کرنا حرام اور ناجائز ہے دوئم کا ترک کرنا یا نہ کرنا حالات پر موقوف ہوگا حالات اجازت دیں تو ترک اولیٰ ہوگا اگر حالات اجازت نہ دیں تو ترک اسباب ناجائز ہوگا سوئم اسباب کا ترک اولیٰ ہوگا۔ اول وہ ہیں جیسے پانی، روٹی وغیرہ کہ بھوک پیاس بجھانے کا ذریعہ ہیں یعنی (اسباب ضروریہ) دوم جیسے طبی علاج معالجہ کرنا سوئم جیسے سنگی لگانا، دُم لگانا خون نکالنا وغیرہ ـــ اول سبب قطعی و یقینی ہے جس کا ترک کرنا ناجائز ہے دوم ظنی ہے جس کو حالات پر چھوڑا جاتا ہے سوم وہمی ہے۔

چونکہ عادات خداوندی جاری ہے کہ اسباب سے مسببات مربوط ہوتے ہیں سبب پایا گیا تو مسبب پایا جائے گا بعد سبب مسبب مترتب ہوتا ہے اصل توکل یہ ہے کہ سبب پر نگاہ نہ ہو۔ کامل وہ ہے جو سبب پر نگاہ نہ رکھے مسبب پر نگاہ رکھے، اور یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ خلوت میں عبادت کرنا باوجود کامل و اکمل ہونے کے عبادت قاصر میں داخل ہے اور لوگوں میں سکونت پذیر ہو کر ان کو فائدہ پہنچانا ۔ یہ عبادت متعدی ہے ۔

سوال :- جب قرآن مجید میں صاف اعلان فرمایا کہ میرے بندوں پر ابلیس کو کوئی تسلط نہیں ہے تو پھر اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کیوں پڑھی جاتی ہے خاص کر صلحاء امت کو اس کی کیا ضرورت ہے!

الجواب :- دو وجہ سے پڑھی جاتی ہے اول یہ کہ حکم خداوندی ہے اس کی تعمیل اطاعت ہے اور اس پر اجر و ثواب ہے، کسی ولی اللہ نے ابلیس کو دیکھا تو اعوذ باللہ پڑھی اور فرمایا کہ میں تمہارے ڈر سے اعوذ باللہ نہیں پڑھ رہا بلکہ حکم خداوندی سے پڑھ رہا ہوں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ صوفی صافی کا دل غیر اللہ سے خالی ہو جائے ملجاء و ماویٰ صرف خدا ہی ہے۔

الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم تک توحید باری تعالیٰ کا بیان ہے اور مالک یوم الدین میں قیامت کا ایاک نعبد وایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم تک ہر قسم کے احکام بیان ہوئے اور انعمت علیھم میں رسالت و خلافت نبوت بیان ہوئی، اور منعم علیہم بیان ہوئے جو چار طبقہ ہیں ان چاروں میں اول سر فہرست حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور احکام خداوندی کے ماننے والے گروہ کا ذکر ہے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین تک احکام الٰہی کو نہ ماننے والے دو گروہوں کا ذکر فرمایا۔

اس صورت میں اولین آیات میں اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ صفات بیان فرمائے گئے ہیں (۱) ربوبیت (۲) الوہیت (۳) رحمانیت (۴) رحیمیت (۵) مالکیت اور اس کے بعد بندہ کے صفات کا ذکر ہے (۱) عبادت (۲) عبدیت (۳) طلب استقامت (۴) طلب ہدایت (۵) طلب نعمت۔

۱ :- فرمایا :- انسان اگر میری ذات کو معظم جان کر میری تعریف کرے تو میری ذات بہت بڑی ذات ہے میں اللہ ہوں جیساکہ الحمد للہ سے ظاہر ہے۔

۲ :- اگر انسان میری صفت اور مدح و ثنا بوجہ احسان کریں تو میں ہی تمام مخلوق کا محسن و مربی ہوں جیساکہ رب العالمین سے ظاہر ہے۔

۳ :- اور اگر میری مدح و ثنا بوجہ خوف کے کریں تو میں مالک یوم الدین ہوں۔

مدح و ثنائے باری کے مضمون کے بعد آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین میں انسان کی خدمت و طاعت اور عبدیت کا اظہار ہے چونکہ عبادت مع سعادت وہ ہے کہ جس سے دل میں انوار پیدا ہو کر دل کو روشن و منور کر دیں اور یہ بغیر استعانت و امداد و توفیق کے مشکل ہے اس وجہ سے انسان کو تعلیم فرمائی کہ ہر عبادت و عمل میں مجھ سے امداد و استعانت طلب کیا کرے۔

جب عارف ان عبادات بمعہ سعادات سے ترقی کر کے آگے قدم رکھتا ہے اور باب مشاہدات و مکاشفات کھل جاتا ہے (جس کا کھلنا بغیر توفیق باری کے مشکل تھا) اس بنا پر اول خدا سے طلب استعانت کی اور آگے بیان فرمایا۔

کہ حصول مشاہدات و مکاشفات بغیر شیخ کامل و اکمل سے وابستہ ہوئے محال ہے ان مشاہدات کے حصول کے لئے طلب شیخ کامل اشد ضروری ہے چونکہ یہ راستہ پر خطر

اس میں بڑے سخت مقام آتے ہیں۔ یہاں مسافر (سالک)
شیخ کامل کا دامن تھام کر بلکہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر چلنا پڑتا ہے
مگر یہ
دیکھنا پڑے گا کہ اس راہ میں مَیں جس کو اپنا ہادی و رہبر سمجھ کر اس
کا ہاتھ پکڑ رہا ہوں۔ یہ خود بھی اس راہ سے واقف ہے یا نہیں،
صرف زبانی جمع خرچ اور لفاظی ہی تو نہیں، یا ڈیڑھ اینٹ
کی مسجد بنا کر ایک بورڈ لگا رکھا ہے۔

چونکہ اس سفر میں رفیقِ سفر اور راہبر کی ضرورت ہے
طالب کی مثال ایک ایسے مسافر کی ہے جو راہ کے پیچ و خم سے
واقف نہیں، یہاں زندگی کے ماہ و سال سنگ میل کی حیثیت رکھتے
اور ہر سانس ایک قدم کی صورت ہے عبادت اس میں چلنا ہے
اور مقصود حصولِ رضائے الٰہی اور واصل باللہ ہونا ہے اور
بتایا کہ راہِ حقیقت کی تلاش میں کہ مقصد اول شیخ کامل کی جستجو
ہے جب اس کے لئے چلو تو اول دعا و طلب کرو۔

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین
انعمت علیھم کیونکہ سفر میں کئی راستے نظر آتے ہیں۔
جہاں منعم علیہم کا راستہ ہے وہاں مغضوب علیہم اور
ضالین کی راہیں ہیں اور یہ بڑا پُرخطر مقام ہے کہ انسان کہیں
بھٹک کر گمراہ نہ ہو جائے اور ظاہر ہے کہ کسی غلطی سے غلط راہ
اختیار کر لیا اور اس سے محبت پختہ ہو گئی اور مجلس و صحبت
کے رسوخ کے بعد جُدا ہونا مشکل ہو جاتا ہے اس کی صحبت کا
اثر ہو گا۔

اے بسا ابلیس آدم رُوئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست
زانکہ صیاد آورد بانگِ صفیر،
تا فریبد مُرغ را آں مرغ گیر
کارِ مرداں روشنی و گرمی است
کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی است

بہت سے ابلیس آدم رُو یعنی انسانی شکل میں پھرتے
ہیں لہٰذا ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا جائے چونکہ شکاری ہمیشہ
شکار پکڑنے کے لئے سیٹی بجاتا ہے تاکہ وہ مکارہ اور
فریبی، پرندوں کو فریب دے کر پکڑ لے، عارف مردوں

کا کام ہے روشنی اور گرمی پیدا کرنا اور کمینوں کا کام ہے حیلہ و
مکر و فریب اور بے شرمی سے انسانوں کو اپنے پھندے
میں جکڑ لینا۔

ع کارِ مرداں روشنی و گرمی است

روشنی سے مراد علم ظاہری ہے اور گرمی سے مُراد
علم باطنی ہے۔

اس وجہ سے سالک عارف طالب کو بتایا کہ طلبِ ہدایت
کے لئے دعا کرے کہ ہادی راہبر کامل اکمل مل جائے یہی
اشارہ ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین
انعمت علیھم میں، پھر فرمایا کہ مغضوب و ضالین
گمراہوں کی راہ سے بچنے کی دعا کرے اور یہ عرض کرے یا خدایا
منعم علیہم کی راہ دکھائیے۔

منعم علیہم صرف چار طبقے ہیں جن میں (۱) سرفہرست
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ دوم صدیق سوم شہداء
اور چہارم صالحین ہیں ان کی صحبت کیمیائے سعادت ہے
جیسا کہ صدیق اکبرؓ رضی اللہ عنہ کو صحبت رسولِ خدا صلی اللہ
علیہ وسلم راسخ ہوئی تو دنیا میں، غار میں، مزار میں قیامت
میں جنت میں وہی رفاقت رہی، سگِ اصحاب کہف کو
صحبتِ صالحین نصیب ہوئی تو انسانی درجہ پایا حضرت
یوسفؑ کی قمیص نے حضرت یعقوبؑ کو بینا کر دیا جب کہ
آنکھوں سے روشنی جا چکی تھی یہ ہے صحبت و مجلس کا اثر
حضرت سعدیؒ نے خوب فرمایا۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مُشکی یا عبیری،
کہ از بوئے دلآویزِ تو مستم
بگفتا من گِل ناچیز بُودم
ولیکن مدّتے با گُل نشستم،
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد،
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ایک دن حمام میں ایک محبوب کے ہاتھ سے
ایک خوشبودار مٹی مجھ کو ملی، میں نے اُس مٹی سے پوچھا کہ

تو مشک ہے عنبر ہے کہ تیری دلآویز خوشبو نے مجھے مست کر دیا ہے اس نے جواب دیا کہ میں ناچیز ایک معمولی مٹی تھی مگر چند دن میری صحبت پھولوں سے رہی ہے میرے مجلس و ہم صحبت کی خوشبو مجھ ایسی ناچیز مٹی میں اتر گئی ویسے تو میں وہی خاک ہوں جیسی پہلے تھی۔ اسی طرح شیخ کامل کی صحبت کا اثر بھی آپ پر ہوگا۔ آپ کے دل کی بیٹری چارج ہو جائے گی۔ آہستہ آہستہ شیخ کے پاور ہاؤس سے بجلی کی روشنی پیدا ہوگی یعنی آپ کے دل کی دنیا جگمگا اٹھے گی۔

صوفیہ عارفین کے نزدیک سب سے بڑا محبوب ذات باری تعالیٰ ہے اور موصل الی المحبوب شیخ ہے اسی وجہ سے شیخ سے محبت پیدا ہو جاتی ہے وجہ یہ ہے کہ وہ یعنی شیخ حبیب موصل الی المحبوب ہے، چونکہ یہ چار طبقہ انبیاءؑ، صدیق و شہداء اور صلحاء موصل الی المحبوب ہیں۔ اس لئے یہ بھی محبوب ہیں، ان کی محبت و اتباع کے بغیر نہ رب ملتا ہے نہ کشف و مشاہدہ حاصل ہوتا ہے چہ جائیکہ ان کی مخالفت کی جائے اور ان پر طعن کیا جائے۔ ان کی مخالفت اور ان پر طعن موصل الی المغضوب علیہم اور ضالین ہے معلوم ہوا کہ ان کی مخالفت ان کی راہ کو ترک کرنا، صاف صاف گمراہی اور غضب الٰہی کا مستحق بننا ہے اس سے صوفیہ کرامؒ نے احتیاط فرمایا کہ اولیاء اللہ کی دشمنی سوء خاتمہ کا خطرہ پیدا کر دیتی ہے العیاذ باللہ۔

صراط الذین انعمت علیہم بدل ہے اھدنا الصراط المستقیم سے اور اس میں اشارہ ہے کہ صراط مستقیم بغیر اتباع ان چار طبقوں کے محال ہے۔ محض کتابوں کی ورق گردانی یا کتب بینی سے اس کا حصول محال ہے جب تک منعم علیہم کی جوتیوں میں جا کر نہ بیٹھے اور ان کے جوتے نہ سیدھے کرے اس نعمت کا ترتیب محال ہے۔

مالک یوم الدین میں اشارہ ہے مقام و منزل اور مراقبہ فنا کی طرف چونکہ سالک جب منازل سلوک طے کرنا شروع کرتا ہے تو نفس امارہ کی شہوات و خواہشات اور تعلق غیر پر موت آجاتی ہے اس میں سالک اقرار کرتا ہے کہ میں نے اپنا نفس آپ کے سپرد کر دیا اور ہمہ تن اپنے رب کی طرف، متوجہ ہو گیا۔ اور کہا ایاک نعبد۔ یہ ہے مقام بقاء باللہ کا جس کو عام طور پر صوفیہ کی اصطلاح میں انتہائے سلوک کہا جاتا ہے۔ اس کے مراتب و مقام مشاہدات و مکاشفات کا شروع ہوتا ہے۔ جیسا کہ اھدنا الصراط المستقیم سے ظاہر ہے ہدایت کے معنی ہیں راہ نمودن یعنی راہ دکھانا اور حصول ہدایت کے لئے دو ہی طریقے ہیں (۱) دلائل ظاہر، جن کو لے کر انسان باطن کی طرف چلتا ہے چونکہ ظاہری دلائل اور اعمال ظاہر حصول باطن کا ذریعہ بنتے ہیں اور اس میں ممد و معاون ہیں جیسا بدنی و جسمانی ظاہری اعمال روح کی صالح غذا بنتے ہیں سب سے اچھا اور اعلیٰ بدن وہ ہے جو ظاہری اعمال و عبادات سے روح کا معاون ہو، چونکہ انسان کامل وہ ہے جو اول درستی عقیدہ کی کرے پھر اعمال صالحہ میں مشغول ہو جائے تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے لکھا ہے (ص۹۲ ج۱)

"جب باری تعالیٰ نے اھدنا الصراط المستقیم فرمایا تو اس پر موقوف نہیں فرمایا بلکہ فرمایا صراط الذین انعمت علیہم اور یہ دلالت کرتا ہے اس حکم پر کہ مرید و سالک کے لئے کوئی راستہ نہیں وصول کا اور مشاہدات و مکاشفات کے لئے بغیر اقتداء و اتباع شیخ کامل کے چونکہ شیخ کامل ہی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اور گمراہی اور غلطیوں کے مواقع سے مرید کو بچاتا ہے"

اھدنا الصراط المستقیم میں سالک نے خدائے تعالیٰ سے دعا طلب کی کہ بار خدایا مجھ کو منعم علیہم کے مراتب، درجات مشاہدہ و مکاشفہ کرائیں اور مغضوب علیہم اور ضالین کے درکات دکھائیں۔ منعم علیہم کے عند اللہ مراتب شان اور مغضوب علیہم اور ضالین کے درکات امور برزخیہ سے ہیں اور احکام برزخیہ اسرار الٰہی و رموزات خداوندی سے ہیں لہذا یہ تمام کشف الٰہی میں داخل ہوئے نہ کشف کونی میں، جس کسی نے کشف قبور کو کشف کونی میں داخل کیا ہے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔

تفسیر روح المعانی ج ۵ ص ۲۶، محدث جلیل حضرت انور شاہ کشمیریؒ کی تصنیف لطیف مشکلات القرآن

ص۲۰ اور رسائل شامی میں بھی حضرت خالد نقشبندی کے حال میں لکھا ہے۔

" حضرت خالد نقشبندیؒ نے ایک دن تقریر فرمائی کہ مراتب کاملین کے چار ہیں جیسا کہ اُن سے اُن کے کسی شاگرد نے نقل کیا ہے اول نبوّت ہے اور نبوّت کے قطب مدار ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دوم صدیقیت ہے جس کے قطب مدار ابوبکر صدیق رضؓ ہیں سوم شہادت ہے جس کے قطب مدار حضرت عمر فاروق رضؓ ہیں اور ولایتِ اولیاء اللہ جس کے قطب مدار حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہیں اور آیت میں جو صیغہ سالین کا ہے اس کا اشارہ ولایت کی طرف ہے بس کسی نے حاضرین میں سے حضرت پر سوال کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نبوت کے بعد ان مراتب میں سے کس مرتبہ پر ہیں تو جواب دیا کہ بعد نبوت تین مراتب جو ہیں ان میں سے حضرت عثمان کو کچھ حصہ شہادت کا ملا اور کچھ حصہ ولایت سے ملا اور حضرات صوفیہ کرام کے نزدیک ذوالنورین کا یہی معنی ہے اور علماء ظواہر بیان کرتے ہیں کہ دو بیٹیاں رسولؐ خدا کی اُن کے گھر میں تھیں۔"

صاحب روح المعانی نے اسی صـ۲۶ پر مرتبہ ولایت کے متعلق حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ کا ذکر کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا۔

" حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا اے جماعت حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آپ کو نبی کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے حالانکہ وہ ہم کو دیا گیا جو آپ کو نہیں دیا گیا یہ حضرت خضرؑ کے قول کی حد پر بیان کیا گیا جو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا حالانکہ حضرت موسیٰؑ خضر سے افضل تھا اے موسیٰ میں ایک ایسے علم کا عالم ہوں جو خدا تعالیٰ نے مجھے دیا اور آپ کو نہیں دیا۔ اور آپ اس علم کو نہیں جانتے باقی فرمان حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ کا کہ آپ کو لقب نبوت و نبی کا دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کا لفظ غیر نبی پر اطلاق کرنا شرعاً ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔

عذاب و ثواب قبر کو حضرات مفسرین نے بھی علم غیب میں داخل کیا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں یومنون بالغیب

لفظ یار دا

تیرے شعراں وچہ کہندے نے لوگ مینوں لفظ یار انجم بڑی وار آیا
رولا سارا اے یاری دا یار انجم تائیوں جگ تے ربدا یار آیا
کنڈا آپے ای وضنے دا کھلیا سی جدوں یار دے کول یار غار آیا
ایسے واسطے مینوں وی یار انجم لفظ یار تے بڑا ای پیار آیا

غیب کے ساتھ ایمان لاتے ہیں) اس غیب میں عذاب و ثواب قبر بھی داخل ہے جیسا کہ تفسیر قرطبی ج صـ۱۶۳ پہ ہے)

غیب اس قبیل سے ہے کہ عقل انسانی کی رسائی نہ ہو جیسا کہ اشراط قیامت، عذاب قبر، حشر نشر، میزان جنت اور دوزخ۔"

اور تفسیر ابو سعود برحاشیہ تفسیر کبیر اسی آیت کے تحت مفسرین نے غیب کی دو قسمیں بیان کی ہیں اول وہ جس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے اور وہ خاص ہے ذات باری سے تفرد بعلمہ اللطیف الخبیر دوسرا وہ جس پر دلیل قائم ہے۔

" اور اس غیب پر جس پر دلیل قائم ہے اس کو وہ جانتا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے نور بصیرت عطا فرمایا ہے حسب مراتب نور کے پس اسی وجہ سے آپ لوگوں کو متفاوت پائیں گے اس نور میں اولیاء اللہ کو خدا اُن کے وجود سے ہم کو نفع پہنچائے اس غیب سے حصہ وافر ملا ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ غیب مشاہدہ کرتا ہے خدا تعالیٰ کی بے کیف آنکھ سے اور کبھی کبھی بندہ کو قرب نوافل عطا ہوتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ اُس بندے کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ بندہ دیکھتا ہے اور خدا تعالیٰ اُس بندے کے کان بن جاتا ہے جن سے وہ بندہ سنتا ہے۔ اور وہ بندہ اس سے آگے ترقی کر کے قرب فرائض کو جا حاصل کرتا ہے تو قرب فرائض میں وہ نور حاصل کرتا ہے جس سے غیب

علم شہودی بن جاتا ہے جو عام الناس کے نزدیک مفقود و غیب ہے وہ اس بندہ کے نزدیک موجود ہوگا۔"

فائدہ : تحت آیت یومنون بالغیب

(تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ــ)

بوجہ ذکر الٰہی کے اللہ عارف سالک کے دل میں ایک نور پیدا کرتا ہے جس سے دل منور ہو جاتا ہے اس نور کی روشنی میں وہ قبر کے حالات ثواب عذاب معلوم کرتا ہے اسی کو کشفِ قبور کہا جاتا ہے اور عذاب و ثواب قبر اُن احکام میں سے ہے جن پر ایمان لانا فرض ہے لہٰذا یہ کشفِ الٰہی سے ہُوا اور یہ بھی ثابت ہُوا کہ کشف بھی ایک دلیل ہے جو عذاب ثواب قبر پر قائم ہے جس سے وہ معلوم ہوتے ہیں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ کسی نے سوال کیا کہ علم غیب تو خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے حالانکہ انبیاءؑ اور اولیاء اللہ نے بعض اُمور کی خبر دی ہے جو ظاہراً موجود نہ تھے اور پھر یہ صحیح نکلی۔ دریں صورت علم غیب کو خدا تعالیٰ کی ذات سے مخصوص کرنا کس طرح صحیح ہوگا۔ تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔

(مرقاۃ ج ۱ ص ۶۵ و ص ۶۶)

اگر آپ سوال کریں کہ محقق بات ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کرام نے بہت چیزوں کی غیب سے خبر دی ہے تو یہ کہنا کہ سوائے خدا کوئی غیب نہیں جانتا کس طرح جائز ہوگا؟ اولیاء اللہ کو بطور کرامت کشف سے الہام سے نیند میں خدا تعالیٰ جزوی امور سے مطلع فرماتے ہیں اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی، کشف، الہام اور منام مطلع فرماتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی نیند (منام) بھی وحی ہوتی ہے۔ تو جزوی جزوی امور پر جو اطلاع ہوتی ہے وہ اطلاع من اللہ علی الغیب ہوئی۔

صلائے عام کردی در جہانے
سخا وجودِ تو شد داستانے
امیر فاسقاں آرد بداماں
غنائے شیخ را یک امتحانے
شہید آرزوئے رقصِ بسمل
گدائے آستانِ تاجدارے
شدم آوارہ از دردِ پنہاں
پریشاں مثل بوئے شاخسارے
ہمی رقصم ز سوز و ساز جگرم
(قرارِ جانِ بسمل تاجدارے!
ندانم آگہی از سفر و منزل
منم دیوانۂ یک تاجدارے
ربودی جان و جان من چہ بودہ
شرارِ جسم و جاں را رستگارے!
زہے قسمت کہ بارے فیض یابم
ز فیضِ جستجوئے تاجدارے

(محمد اکرم)

منم ہم نامِ تو لیکن ندارم
پرِ کاہے ز اسمِ تاجدارے

تبصرۂ کتب

نامِ کتاب زیرِ تبصرہ : تجلّیات
مُصنّف : حافظ عبدالرزاق
صفحات : ۱۹۸
قیمت : ۳۰ روپے

تجلیات حافظ عبدالرزاق صاحب کے ۲۰ مضامین کا مجموعہ ہے۔ زندگی کے ان مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے جن سے انسانی کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ کہ عشقِ رسول ﷺ مسلمان کو ایک ایسا انسان بنا دیتا ہے کہ وہ بے ساختہ پکار اٹھتا ہے

زندگی آپ کی عنایت ہے — ورنہ ہم لوگ مر گئے ہوتے

جو حالت معاشرے کی آج ہے پہلے بھی وہ ایسے ادوار سے گزر چکا ہے۔ کیونکہ فساد اور اصلاح کا عمل تو ابتدا سے جاری ہے۔ اسباب تو بے شمار ہیں لیکن بنیادی وجہ تو اعتقادی بگاڑ ہے اسی لیے آج ملتِ اسلامیہ ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اور اتحاد بین المسلمین کا جو تصور ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ دشمن چور دروازے سے داخل ہو کر قابض ہو رہا ہے۔ ورنہ اہلِ ایمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

فکرِ دنیا اور فکرِ آخرت کے لیے تزکیۂ نفس کا نسخہ بھی آپ کو ملے گا۔ اور اللہ پر مکمل اعتقاد اور اعتماد کے نتیجہ میں مسلمان کس قدر قوت کا مالک بن جاتا ہے کہ ایک ہزار مسلح افراد جن میں ۶۰۰ زرہ پوش.... گھوڑے اور ...، اونٹ شامل ہیں اُن کے مقابلے کیلئے ۲ گھوڑے اور ۷۰ اونٹ لیکر ۳۱۳ نہتے مسلمان نکل آتے ہیں۔ افرادی قوت اور وسائل اسلحہ کی کمی کے باوجود ... کے ۲۷ غزوات اور سرایا ہیں۔ فتوحات کی وسعت ... مربع میل یعنی اوسطاً ۲۷۴ مربع میل روزانہ ہوتی۔

تصوف تو ان تمام مضامین کا بنیادی موضوع ہے تاہم آدابِ تصوف و سلوک پر ایک علیحدہ مضمون بھی ہے۔ ہر موضوع کی دلیل میں قرآن پاک کی آیات و حدیث پیش کی گئی ہیں ان مضامین کو پڑھتے وقت کلام اللہ کے بغیر انسان ادھورا سا محسوس ہوتا ہے۔ اور حافظ صاحب کا ہی تو ایک منفرد اندازِ تحریر ہے۔

۳۰ روپے کا منی آرڈر بھیج کر منگوا سکتے ہیں۔

نامِ کتاب زیرِ تبصرہ : تصوّف کی کتاب
مصنّف : حافظ عبدالرزاق
صفحات : ۱۵۲
قیمت : ۲۵ روپے

تصوّف کی دنیا میں پروفیسر عبدالرزاق صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ البتہ تصوف پر طلباء کے لیے نصابی کتاب تحریر کرنا ان کا عظیم انقلابی کارنامہ ہے۔ اور صقارہ اکیڈمی، دارالعرفان، منارہ میں اسلامی نصاب تعلیم میں تصوف کو شامل کرنا دنیا بھر میں پہلی واحد مثال ہے جبکہ اس کو انفرادی، اجتماعی اور قومی کردار کی تعمیر کے لیے ایک ضروری جزو کی حیثیت حاصل ہے۔ تصوف کسی نظریئے، فلسفے، مرادیں مانگنے اور تعویذ گنڈوں کا نام نہیں بلکہ دین کا ایک ایسا شعبہ ہے جو انسان کی عملی زندگی پر محیط ہے۔ صقارہ اکیڈمی اس لحاظ سے پہلا خوش قسمت ادارہ ہے جہاں طلباء کو تصوف پر مکمل پریکٹس کی سہولت میسر ہے۔ کہ اس میں شیخ کی صحبت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ صحبت اور توجہ ان خوش نصیب طلباء کو صبح و شام حاصل ہے۔

سائنس اور آرٹس کے مضامین کے ساتھ ساتھ اسلامی نصاب کی ترتیب یوں ہے۔ جماعت ہشتم میں مفتی کفایت اللہ صاحب کی تعلیم الاسلام کا حصہ اوّل اور تصوف کی پہلی کتاب۔ جماعت نہم میں تعلیم الاسلام کا حصہ دوم و سوم اور تصوف کی دوسری کتاب اور جماعت دہم میں تعلیم الاسلام کا حصہ چہارم اور تصوف کی تیسری کتاب شامل ہے۔ تصوف کی ہر کتاب میں پریکٹیکل کے لیے ہدایات درج ہیں۔ جن پر شیخ کی صحبت میں باقاعدگی سے عمل کیا جاتا ہے۔

تصوف کے اس نصاب کو پڑھانے کی ضرورت تو اس ملک کے ہر سکول میں ہے کہ ہر اچھے اور معمولی سکول میں نصابی کتابوں کو رٹنا تعلیم و تہذیب کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ جس سے اب تک ہمارے ان نونہالوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے آ رہے ہیں۔ ایک اعلیٰ مسلمان قوم پیدا کرنے کی بجائے ایک تخریبی نسل پیدا کی جا رہی ہے۔ اس رجحان کو روکنے اور کردار کی تعمیر کے لیے ہر سکول میں تصوف کی تعلیم کی اہمیت واضح ہے۔ اور تصوف کا یہ ابتدائی نصاب اُس ضرورت کو پُورا کرنے کیلئے کافی ہے۔ یہ نصاب تین حصوں پر مشتمل ہے جو ہشتم، نہم اور دہم کی جماعتوں کے لیے ہے۔ طلباء کی سہولت کے لیے اسے ایک ہی جلد میں شامل کر دیا ہے۔ کتاب کی زبان نہایت سلیس، عام فہم ہے۔ اور مثالیں روزمرہ زندگی سے دی گئی ہیں۔ جسے طالب علم بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

اللہ کرے ہمارے ماہرین تعلیم اس ضرورت کو محسوس کریں اور تصوف کو مستقل طور پر سکولوں کے نصاب میں شامل کر لیں۔ تاکہ ہماری آنے والی نسلوں کا کردار دین اور دنیا دونوں لحاظ سے بلند ہو سکے اور آگے چل کر ایک عظیم مسلمان قوم پیدا ہو سکے۔

۲۵ روپے کا منی آرڈر بھیج کر منگوا سکتے ہیں۔

منگوانے کا پتہ : اویسیہ کُتب خانہ - الوہاب مارکیٹ ۳۸ اُردو بازار لاہور

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

(۱) کرنل مہندی حسن چوہدری صاحب کے چھوٹے بھائی افضال حسین کے لیے

(۲) کراچی کے ساتھی امتیاز احمد صاحب کی والدہ محترمہ کے لیے

(۳) ابوظہبی کے ساتھی احمد علی برای کے والد محترم کیلیے۔

(۴) لاہور کے ساتھی مرزا اسد علی بیگ کے دوست محمد خورشید کے لیے

ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے

تبصرۂ کتب

کتاب زیر تبصرہ : خطباتِ مواعظِ جمعہ

مصنف : مولانا حافظ مشتاق احمد عباسی

خطباتِ مواعظِ جمعہ کو جستہ جستہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب مواد اور معلومات کے لحاظ سے اچھی تحریر ہے مصنف نے خاصی محنت کر کے معلومات کو یکجا کیا ہے اور وقت واقعات کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے۔ بنیادی طور پر تو یہ خطیب اور مقرر حضرات کے لئے لکھی گئی ہے تاکہ وہ دین اور اسلامی تاریخ کے پس منظر کو سامنے رکھ کر موجودہ دور کے مسائل پر بول سکیں۔ اس لحاظ سے یہ کتاب خطیب اور مقررین کے لئے ایک اچھی ٹیکسٹ بک کا کام دے سکتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کتاب میں عام قاری کے مطالعے کے لئے کافی دلچسپ مواد موجود ہے۔ کتاب کی ضخامت بڑے سائز میں ۵۰۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ سفید کاغذ پر چھپائی بھی معقول ہے۔ قیمت ۱۲۰ روپے ہے۔

ملنے کا پتہ :۔ ادارہ صدیقیہ۔ گارڈن ویسٹ نشتر روڈ۔ کراچی ۳

فقیر محمد اکرم

ماہنامہ المُرشد الوہاب مارکیٹ غزنی سٹریٹ ۳۸ اُردو بازار لاہور فون ۲۲۰۳۵۷

خریداری نمبر ________ تاریخ ادائیگی ________

نام ________

شہر ________ ضلع ________

پتہ ________

____

○ سالانہ خریدار ۱۰۰ روپے ○ تاحیات ۱۰۰۰ روپے

Phone : 5:6734
Res: 448914

AL-BARKAAT ESTATES

Property Consultants/Advisors
Rent Purchase & Sales

Capt. (Retd.) Khurshid Ahmed

6, 13-C, 12th Commercial Street Opp. Highway Motors
Phase 2, Defence Housing Authority Karachi.

ٹیلیفون ۵۴۶۷۳۴

البرکات اسٹیٹس

مشیرانِ جائداد

مکان، بنگلہ، کوٹھی کرایہ پر حاصل کرنے، خریدنے یا فروخت کرنے نیز قطعات اراضی کے لیے ہم سے مشورہ کریں۔

کیپٹن (ریٹائرڈ)
خورشید احمد

۶، ۱۳ سی، ۱۲ کمرشل سٹریٹ بالمقابل ہائی موٹرز،
فیز ۲۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی،

himself. "Repeat my name and your hearts shall light up with my love", commands **God** almighty. This is the only way to achieve **God** almighty's love and his nearness. The human heart has been basically created to gain revelations of the divine light and unitl the heart does not achieve this, it remains distressed and restless. A person will never find peace, even if he claims to be a Muslim, unless he tries to achieve the revelation of the divine light. He may pray five times a day but his prayers will lack the enthusiasm required. His every worship would be no more than routine work. His long journey trought life would be useless unless he dutifully obeys the command diven by **God** almighty and that is: "*ALA BE ZIKRILLAHE TATMA INNUL QULOOB*". Translation: Listen carefully, the hearts find peace only by **Allah's** Zikr. **God** almighty commands "Start repeating my name continuously and your hearts shall find peace." The reason for this is that the repetition of the divine name by a person, strengthens the bond of love between **God** almighty and his servants. Everything starts taking shape after this and the person feels the divine light entering his heart and the enthusiasm and desire of meeting his creator, starts building up. He knows that this meeting shall be in the life of the hereafter, so he starts preparing for it. Therefore, we come to the conclusion that *Zikr Allah* is a must for every person on this earth and the person who realises its importance is truly human, otherwise he loses his humanity. A human being is superior to other creatures becaus he is capable of achieving the nearness of **God** almighty. But if he is unable to achieve this, then he does not remain a human. Look at the people around you, you will find many shapes and kinds of human faces, but are they really human any more?

Allah's Zikr is the most important factor in our lives, more important than life itself. May **God** lead us on the right path and bless us by his divine guidance.

looking faward to heaven in the life heareafter, the place where he will meet his beloved creator and will be blessed with the ability of comunicating with him. This is the greatest reward one can be awarded. But this cannot be totally achieved in this world, he has to wait for the life hereafter and by doing so his love for **God** almigty deepens and he feels a thirst in his heart for the divine visions as the splendour of the divine light surrounds his heart and now he feels a restless throbing within him to see **God** almighty with his eyes, whose divine love penetrates his inner being. His eager eyes long for his divine vision. But this cannot be achieved in this world, so a person starts preparing for the life of the hereafter where all these rewards shall be achieved.

But first a person has to make a decision in his heart that he shall work hard and sacrifice to acquire all the rewards of the hereafter.

This is the reason that **God** has declared, for the non-believers, that they do not expect meeting me and thus they are on the path of disbelief. This means that if they had expected a meeting with me they never would have strayed astray. They are still in a life of disbelief because they are not anciously eager to meet me.

This is the only foundation that makes a man prepared to make the sacrifice that he will go to sleep hungry but won't eat anything forbidden because by doing so he shall annoy his creator. "If I eat something forbidden **God** may not speak to me." He reminds himself, and all this will take place in the life hereafter but the preparation should start here in this world. The question is, how should we strengthen this relationship with **God** almighty. A person can love another person because they are one of a kind. A person can also feel an attachment to a cretain material object because of its colour or beauty. He may be attracted to a bird because of its beauty or because it has a melodious voice which he likes to here, but how can he love **God** almighty? He has never seen **God**, he has never heard his voice, he can never feel him nor can he touch him and there is no example of him anywhere. It is completely beyond his perception and understanding so how can a person sacrifice this world and its offerings for someone who he cannot see, touch or feel.

There is a way, and it is prescribed by **God** almighty

because this knowledge of the life hereafter is only acquired by the teachings of the Holy **Prophet** and to have faith in the teachings of the Holy **Prophet** makes him a believer. But a disbeliever does not have any knowledge of the life hereafter. Therefore his good deeds are not for the pleasure of **God** almighty and heaven, but only for this world. He either wants to be recognised or Praised by other people or wants to get rich, or whatever his aim is, the rsult of his good deeds are returned to him in this world, as that is exactly what he wants. This is also revealed in the Holy Quran which says that a non believer is rewarded in this world for whatever good deeds he does as that is what he wants. To make this point more clear, take the example of a shopkeeper. You have Rs. 10 and you want to buy a kilo of sugar. He gives you a kilo of sugar for Rs. 10. Now, if you expect that later he would also give you a kilo of flour for the same money of Rs. 10, then you are mistaken. Similarly, a non believer does good deeds in this world because he wants to be recognised as a good man, He wants people to think high of him. Whatever the worldly reason, the reward is given to him in this world. As **God** almighty is very just and it is his promise that whatever good deeds a believer or a non-believer does, they will not go wasted. The reward depends on the motive behind the deeds. A non believer does not have any knowledge of the life after death. To acquire this knowledge he has to have faith in the **Prophet** (pbuh) and his teachings, without which there is no way for him to know about **God** almighty and the life hearafter.

Now we have to find out how to achieve such a strong desire and spirit, that whatever we do in this world, our main aim and goal becomes the life hereafter. Let us consider this example, we all have families to whom we are very attached, and when we have to leave them and go abroad for better jobs, we constantly remain in touch with them, and whatever we earn, we earn for our families back home. We are away from them but we are always thinking and worrying about them, we save our hard earned money for them and, although bodily we may be very far away, our thoughts are always with our loved ones.

Similarly, a person strives in this world in order to achieve a happy life in the next world and this is possible when he strengthens his relationship with **God** almighty and starts

believer and asks forgiveness for his sins, his heart lights up with the love of **God** at that very moment. He remains stable in his decision in believing **God** and the **Prophet**, and his tecachings, then with **Allah's** blessings he attains unknown heights of his nearness. It is **Allah's** will, how much he is blessed. **God** almighty is the creator and Hazrat Muhammad (pbuh) is His creation. The angels are created from light and **Gabriel** (*Ameen*) is the head of the angles. So is in a hadis about "**Meraj**" (The journey). It is said that at a cretain point the angel **Gabrial** could not go further and said to **prophet Muhammad** (pbuh) "*Oh Prophet of Allah if I even try to look beyond the veil of light. It will not be able to bear it. I cannot even bear to go beyond this point*". This was the point where the **Prophet's** (pbuh) journey had strated. How for he went, only **God** almighty and his beloved **Prophet** (pbuh) knows. The point to prove is that an angel is not superior to a human being and cannot attain that nearness of **God** almighty as a human being can. Therefore, it is a fact that the **Prophet** of **Allah** was a human and not a creation of light as some say because to accept Him as a creation of light, would be denying all his superior qualities which he had. All human beings have such capabilities hidden in them. But these do not come to the surface themselves. for they have to be developed.

Prophets are the only people who have been bestowed with such a nature that they acquire all the knowledge of **God's** nearness. They gain all the visions of his spludour. They also gain an insight to **God** almighty's nature and all of this is given to them by **God** only. the rest of mankind is dependent on the **Prophet** for this knowledge.

The other day a friend of mine asked me a question. He said that the intention of doing good deeds is also found in non Muslims. A person who is not a muslim does good deeds, such as building hospitals, being always truthful, never hurting anyone, always, being ready to help the poor etc. so why will they not go to heaven? I answered that the basic reason for this is that by doing all these good deeds they are not asking for heaven. Whatever a disbeliever does, his aim is not **Allah's** consent or life after death. If his deeds were for **Allah** and the life hereafter then he would not be a disbeliever, he would be a believer

come back cured. Man is very proud of the progress he has made in Mecdial Science, but isn't it strange that there are some aspects of Medical Science known to animals and yet unknow to man.

Keeping this in view, there are other supernatural creations of **God** like Jinns, Angles, etc. Man's knowledge cannot be compared to their's. We have seen that a mere bee posseses more knowledge in a specific field than man. Therefore it is not knowledge which makes a man superior.

If we take the physical side and assume that physically man is beautiful and hence superior to other creatures, this again remains untrue because we see in our day to day life many beautiful creatures, much more beautiful than man himself. If one thinks that the strength of man makes him superior, then again this statement is worng. There are many animals who are much more in strength, eg. an elephant, what is man in fornt of this huge animal.

Then what is it that makes a man superior, may be that he worships **God** Almighty and other creature don't. This is not true also. **God** Almighty has created angles, only to worship Him and they cannot do anything but obey Him. They are made for this purpose only and do not know anything else. Angels who are standing with heads bowed in worship will do so till the end of their lives. They live for millions of years. The equation still remains unanswered as to what makes a man superior to other beings.

The asnwer to this question, according to God Almighty and the **Prophet** (pbuh) as revealed in the divine book by **Allah**, is that, in all his creations, mankind has been blessed with a sense and wisdom. Man with this sense can understand the greatness of **God** Almighty, and can attain his nearness. This is the secret to man's superiority over other creatures. All the other creatures worship HIM, obey HIM, know that there is a **God** who commands them and they obey His every order, but it is beyond their reach to know His nature and to attain the heights of His nearness, as they are not blessed with that sense. In other words man is the only creation of **God** who has been blessed with such a sense and wisdom that he can attain such heights as no other creature can. This is the reason why, a person who has led most of his life as non-believer becomes a

Man - The Superior Being

Maulana Mohammed Akram Awan

Whether a thing is important or not, depends on human needs. Anything which is not regarded as a necessity for mankind, looses its importance. Therefore the importance of anything depends on whether it is needed or not. The severity with which a certain thing is required, aquires more importance. Therefore the necessity and importance of a certain thing is interrelated.

ALMURSHAD

To understand the importance of Zikr, we must first understand why man has been termed as the most superior of all creations. The answer that comes to our mind is that man posseses more knowledge than others. This is not true because we know that there are many creatures in this universe who posses knowledge yet unrevealed to man, eg; a honey bee. This little creature posseses the knowledge to make honey, whereas man does not. The trees are there, the flowers are there, the pollen is present, yet man does not know how to convert this into honey. This is a small example, and the universe is very very big and there are lots of creations of **God** that we are not even aware of. So we see that knowledge is not what makes a man superior to other creatures.

Experiments done on jungle animals show very strange results. When meat eating animals fall ill they eat a certain kind of grass that makes them well again. Till now man has been unable to understand this grass and its properties!

Have you ever noticed that when domestic dogs and cats fall ill they use garden grass to get well. Experiments have proved that monkeys, apes and gorillas, like humans, are prone to piles and cure it by eating a special kind of leaf. But where do they find this certain kind of leaf and how they disappear into the jungles and usually

چیف فوڈ پراڈکٹس

معیار کا با اعتماد ادارہ

CHIEF'S

ہماری ان پراڈکٹس کیلئے ڈسٹری بیوٹرز کی ضرورت ہے

۱۔ سویٹس (ٹافی، کینڈی اور ببل)

۲۔ چیف بناسپتی گھی۔

۳۔ ۱۰۰ فی صد خالص بنولہ کھل۔

اپنے کاروباری کوائف لکھ کر بھیجیں۔ سلسلہ کے ساتھیوں کو ترجیح دی جائے گی۔

چیف فوڈ پراڈکٹس

N-6 راوی پارک روڈ۔ نزد روٹی پلانٹ لاہور فون: ۲۰۱۷۶۹، ۲۷۳۶۲۲

یا معرفت "المرشد" الوہاب مارکیٹ۔ ۳۸ اردو بازار لاہور

پروگرام ۱۹۹۰ء

- ۱۹ تا ۲۶ راپریل (۲۰ رمضان المبارک) اعتکاف آخری عشرہ
  عیدالفطر ۲۷ راپریل
- یکم مئی تا ۳۰ رجون۔ دورہ بیرون ممالک
  (انگلینڈ، ہالینڈ، ڈنمارک امریکہ کینیڈا اور حج بیت اللہ)
- ۵ رجولائی۔ واپسی سے از جدہ بعد دورۂ بیرون ممالک حج
- ۱۲ رجولائی۔ سالانہ اجتماع دارالعرفان شروع
- ۱۷ راگست۔ اختتام سالانہ اجتماع بعد از نماز جمعہ
- ۲۲ تا ۲۹ راگست۔ دورۂ کوئٹہ
- ۱۰ تا ۱۷ رستمبر۔ دورۂ وزیرستان براستہ ڈیرہ اسماعیل خان
- ۲۳ تا ۳۰ رستمبر۔ دورۂ گلگت۔
- ۱۱ تا ۱۳ راکتوبر (جمعرات، جمعہ، ہفتہ)۔ اجتماع لنگر مخدوم
- ۲۱ تا ۲۹ راکتوبر۔ دورۂ چترال براستہ پشاور
- نومبر۔ دورۂ ہندوستان و بنگلہ دیش (تاریخ کا تعین بعد میں)
- یکم تا ۱۰ ردسمبر۔ دورۂ کراچی
- ۱۳ ردسمبر۔ حاضری مرشد آباد
  (قیام ایک رات)

غبارِ راہ

بے حد شگفتہ، اُجلی اُجلی اور جذب کرنیوالی تحریر

جس میں سفر بھی ہے، سیر بھی ہے، مزاح بھی ہے، تہذیبِ مغرب کی عکاسی اور تجزیہ بھی ہے۔ مگر اِن سب کے علاوہ اور اِن سب پر مقدّم اُس مقدّس اور عظیم مشن کی تکمیل اور اپنے فرض کی ادائیگی کا احساس ہے جو اِس تحریر کو ایک منفرد شان، حُسن اور مقصدیّت بخشتا ہے۔ اِس پائے کی تحریر صرف ایک ہی قلم کی زینتِ نوک ہو سکتی ہے

شیخ المکرّم حضرت مولانا **محمّد اَکرم** مدظلہ
کے سفرناموں کا مجموعہ

عنقریب مارکیٹ میں آ رہا ہے

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255